خاتم المحدثین حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، فقیہ العصر، استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب قاسمی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء) صدر المدرسین ومفتی جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے حالات وخدمات اور نقوشِ حیات پر مختلف اہلِ علم وفضل کے ذریعہ لکھے گئے مقالات وتاثرات کا گراں قدر مجموعہ

تَذْکِرَۂ فَقِیْہُ الْعَصْرْ

مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ

مرتب
حبیب الرحمٰن الاعظمی ابراہیم پوری
فاضل دار العلوم دیوبند

تفصیلات کتاب

نام کتاب: تذکرۂ فقیہ العصر مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ

مرتب: مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی ابراہیم پوری

صفحات: ۱۶۰

اشاعت: رجب ۱۴۴۳ھ/فروری ۲۰۲۲ء

کمپوزنگ: قاری عثمان غنی عادلؔ جہانا گنج، 9450732097

باہتمام: مولانا عبدالباسط مبارک پوری نبیرۂ فقیہ العصر مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب قاسمی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ 9235570043

ملنے کا پتہ

جناب حاجی عبدالاعلیٰ صاحب بن حضرت فقیہ العصر مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ

محلہ پرانی بستی، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

مرتبِ کتاب کا رابطہ نمبر: 8090707844

مفتیٔ یٰسیں نے اپنی وقف کردی زندگی
خون سے سینچا ہے یہ بستانِ احیاء العلوم

(مولانا محمد عثمان معروفیؒ)

فہرست

تاثراتِ اکابر

مقالات ومضامین

منظوم تاثرات

تقــریظ بلیغ

نامور اہلِ قلم، صاحبِ تحقیقاتِ علمیہ
مولانا مفتی محمد صادق صاحب قاسمی مبارک پوری دامت برکاتہم
استاذِ عربی وصدر المدرسین جامعہ نور الاسلام ولید پور ضلع مئو

برادرِ عزیز مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ایک کہنہ مشق صاحبِ قلم ہیں، ماشاء اللہ عالم باعمل، فاضلِ نوجوان، تجربہ کار معلم ومدرس ہیں۔

آج ۲۹ر دسمبر ۲۰۲۱ء کو بعد نمازِ ظہر، ان کی جدوجہد سے ترتیب کردہ کتاب "تذکرۂ فقیہ العصر مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ" دیکھ کر مسرت وخوشی ہوئی، جو مختلف مقالات اور بکھرے ہوئے مضامین کا مجموعہ ہے، اور جو ظاہری وباطنی خوبیوں سے مزین ہے، مزید برآں عزیز موصوف نے مقالات ومضامین کو نہایت عمدگی اور سلیقے سے جمع کیا ہے۔

صاحبِ تذکرہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری نور اللہ مرقدہٗ کی عظیم شخصیت، ان کی صفاتِ حسنہ، اخلاقِ کریمانہ، حصولِ علم کے لیے متواصل جدوجہد، عملِ دائم نسلِ نَو کے لیے اسوہ اور نمونہ ہے۔

بہت دنوں سے احقر کی خواہش تھی کہ حضرت فقیہ العصر کا تذکرہ بسط وتفصیل کے ساتھ قارئین کے سامنے آجائے۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے سابق ناظمِ اعلیٰ، ماہر علم وفن حضرت مولانا عبدالمعید صاحب القاسمی سے اس کا کئی مرتبہ تذکرہ ہوا، اور وہ بھی اس کام کے متمنی تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا تذکرہ بسط وتفصیل کے ساتھ منصۂ شہود پر آجائے، مگر مولانا قاسمی مرحوم ومغفور ہوگئے، اب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ابراہیم پوری کا یہ "مجموعۂ مقالات" دیکھ کر وہ حسرت وافسوس نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ مرتب کے قلم میں اورزور پیدا فرمائے اوراس کتاب کوان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے درجات کو بلند فرمائے اوران کی خدمات کوشرفِ قبولیت سے نوازے۔

دعا گو

محمد صادق مبارک پوری

خادم تدریس جامعہ نورالاسلام ولید پور ضلع مئو

تاریخ ۲۹/ ۱۲/ ۲۰۲۱ء بروز چہارشنبہ

کلماتِ تحسین

مفسرِ قرآن، حامئ سنت

مولانا مفتی وصی الرحمٰن صاحب قاسمی محمد آبادی زید مجدہٗ

استاذ حدیث جامعۃ الزاہدات اترا ری خیر آباد و بانی تحریکِ دین وسنت محمد آباد گوہنہ، مئو

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، قبیلہ، خاندان اور برادریاں آپسی تعارف کے لیے ہیں، اصل چیز تقویٰ و پرہیز گاری ہے، جو اس صفت سے متصف ہوتا ہے، وہی لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوجاتا ہے، ایسا شخص اپنے علم سے سب کو فیض پہونچاتا رہتا ہے، دین کی خوب سے خوب تر خدمات انجام دیتا ہے، اور ایسا شخص ملت کی ضرورت بن جاتا ہے، ان ہی خصوصیات سے مزین ہمارے دیار کی ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ کی ذاتِ گرامی تھی، جن کی ہستی محتاجِ تعارف نہیں، ان کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ احیاء العلوم" کے نام سے مشہور ہے، جس پر حضرت محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ وغیرہ کی تقاریظ مرقوم ہیں۔

رفیق محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی ابراہیم پوری، جن کو تصنیف وتالیف سے بہت خاص لگاؤ ہے، انھوں نے "تذکرۂ فقیہ العصر مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ" نامی

کتاب کو بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، اس میں جن نامور علماء کے مضامین ومقالات ہیں، وہ خود بڑی عبقری شخصیات ہیں، جیسے حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوریؒ، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی جگدیش پوریؒ اور حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ وغیرہ۔ ان اکابر کے مقالات ومضامین خود اس بات پر شاہد ہیں کہ واقعی مذکورہ کتاب بڑی جامع اور اہم ہے، اور مرتب نے بڑی ہی محنت سے ان تمام مضامین کو منتخب کر کے حسنِ ترتیب سے کتاب کو مزین کیا ہے، اور چوں کہ ایسی عظیم المرتبت اور مایۂ ناز شخصیت پر کوئی مستقل کتاب اب تک منظرِ عام پر نہیں آئی تھی، مرتب موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ اس خلا کو بھی پُر کرنے کی کوشش کی ہے، جو موصوف کے علمی ذوق وشوق کا پتہ دیتی ہے۔

باری تعالیٰ مرتب کی اس کاوش کو بھی دیگر کتابوں کی طرح قبول فرمائے اور مزید دینی وعلمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصی الرحمٰن قاسمی محمد آبادی

خادم التدریس جامعۃ الزاہدات اترا ری خیر آباد

وبانی تحریکِ دین وسنت محمد آباد گوہنہ، مئو

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ/ یکم جنوری ۲۰۲۲ء

ابتدائیہ

از: مرتب

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء - وفات: ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء) سابق مفتی وصدر المدرسین جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے حالاتِ زندگی اور دینی وعلمی، فقہی وتدریسی خدمات اور نقوش وتاثرات پر مشتمل یہ تذکرہ، دراصل ان بکھرے ہوئے مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے، جو مختلف اہلِ علم وقلم نے مختلف اوقات میں حضرت مفتی صاحبؒ کے تعلق سے تحریر کیے تھے، اور یہ تحریریں مختلف کتب ورسائل میں موجود ہیں۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کی عظمتِ شان، ان کے علمی مقام ومرتبہ اور ان کی فقہی خدمات سے بھلا کون ناواقف ہوگا، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے مسندِ درس اور مسندِ افتاء پر برسوں تک فائز ہونے والا وقت کا یہ عظیم عالمِ دین اتنا زبردست فقیہ اور مفتی تھا کہ ان کے معاصرین اہلِ علم بھی ان کی عظمت وبرتری کے قائل تھے، اور ان کی فقیہانہ شان کے معترف تھے۔ ہندوستان کے دینی مدارس کے مفتیانِ کرام وعلماء عظام آپ کی فقہی آراء کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور آپ کے قلم سے لکھے گئے فتاویٰ کو ہر جگہ قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، حتیٰ کہ بعض ایسے واقعات بھی ہیں کہ مفتی یٰسین صاحب کے فتویٰ کو دیکھ کر بعض اہلِ علم نے اپنے فتاویٰ سے رجوع کیا، یہ حضرت مفتی صاحب کے کمالاتِ علمیہ کی واضح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ اس دیار کے مسلمانوں کے لیے ہر قسم کے دینی وشرعی معاملات میں مرجع تھے، اور مختلف فیہ مسائل میں آپ کی بات قولِ فیصل کا درجہ رکھتی تھی، ہر دل میں آپ کا ادب واحترام تھا، اور ہر کوئی آپ کا عقیدت مند،

آپ کی عظمت کا قائل اور آپ کے علمی مقام ومرتبہ سے واقف تھا، ہر حلقہ اور ہر طبقہ میں آپ کی ذات مقبول ومحبوب تھی، اور آپ کی برگزیدہ ہستی اس پورے علاقہ اور اطراف کے لیے خیر وبرکت اور رحمتِ خداوندی کا ذریعہ تھی۔

اللہ نے آپ کو اپنے دین کی خدمت کے لیے چُن لیا تھا، چناں چہ آپ کو فقہ کے مقامِ بلند پر فائز کر کے آپ کی عظمت کو دنیا والوں کے سامنے واضح کر دیا۔

مفتی یٰسین صاحبؒ کی اس عظمتِ شان، ان کی فقہی خدمات اور دینی وعلمی کارناموں اور ان کے مقام ومرتبہ کی بلندی کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کے حالات وخدمات اور آپ کے بسیط کارناموں کا تفصیلی تذکرہ لکھا جائے، اور آپ کی حیات کے گونا گوں پہلوؤں کو ذکر کر کے مختلف گوشوں کو ظاہر کیا جائے، اور قوم وملت کو اپنے اس عظیم محسن کی خدمات اور قربانیوں سے مسلسل واقف کرایا جائے، اور نئی نسل کے سامنے اپنی اس عظیم ہستی کی عظمت وفضیلت کا تذکرہ کیا جائے، تا کہ نسل نو ان کی علمی وعملی زندگی سے سبق حاصل کرے اور قوم وملت کی خدمت کے لیے میدانِ عمل میں آگے بڑھ سکے، اور اسلاف کے نقوشِ پا پر چلتے ہوئے کامیابی کے منازل طے کر سکے۔

لیکن یہ بڑے ہی حیرت واستعجاب کا مقام ہے کہ اتنے بڑے عالمِ دین، مفتی وفقیہ اور بزرگ ہستی پر اب تک کوئی مکمل تذکرہ منظرِ عام پر نہ آ سکا، جو بعد والوں کے لیے علم وعمل کے میدان میں تحریک کا سبب بن سکے، اور نئی نسل اپنے اس عظیم محسن کی حیات وخدمات، ان کے افکار ونظریات سے واقف ہو سکے، اور ان کے احسانات کو یاد کر کے ان کے لیے دعائے خیر کر سکے، اور اپنے لیے اعمال کا ذخیرہ جمع کر سکے، بوقتِ تحریر اَڑتیس (۳۸) سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اب تک ان کی فقہی خدمات کو مکمل طور سے منظرِ عام پر نہ لایا جا سکا، یہ صورتِ حال، قوم کی اپنے محسنین سے بے اعتنائی اور ان کے حالات وخدمات سے بے پرواہی کو واضح کرتی ہے۔

راقم السطور اس تعلق سے ہمیشہ فکرمند رہا، اور اکثر و بیشتر مفتی صاحب کے حالات وخدمات کو جمع کرنے کا ارادہ کرتا رہا، مفتی صاحبؒ چوں کہ ہمارے لیے بہت بڑے محسن تھے، والدِ گرامی مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے آپ ہی کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا تھا، پھر آپ ہی کی زیرِ سرپرستی احیاء العلوم مبارک پور میں ابتداء سے دینی تعلیم حاصل کی، اور عربی تعلیم یہیں موقوف علیہ تک حاصل کرنے کے بعد دیوبند گئے، الغرض مفتی صاحبؒ ہمارے والدِ گرامی مولانا رحمت اللہ صاحب کے نہ صرف ولی اور سرپرست تھے، بل کہ استاذ بھی تھے اور روحانی باپ بھی، گرچہ میں نے حضرت مفتی صاحب کا زمانہ نہیں پایا، لیکن ان کے ان احسانات کے پیشِ نظر میرے دل میں ان کی عظمت ومحبت مزید پختہ ہوتی گئی، اور جب بھی مفتی صاحب کا نام آتا تو ان کے احترام میں ہمارے دل جھک جاتے، والدِ گرامی مولانا رحمت اللہ صاحب، اکثر و بیشتر آپ کا ذکرِ خیر کرتے اور ان کے واقعات وارشادات سناتے، اور جب بھی آپ مبارک پور جمعہ پڑھنے یا کسی اور کام سے جاتے، مفتی صاحب کی قبر پر ضرور جاتے، اگر وہاں گئے کچھ دن ہوجاتے تو جانے کے لیے بے تاب رہتے اور جلد ہی وہاں پہونچ جاتے، یہ عقیدت والفت دیکھ کر ہمیں بھی رشک آتا اور مفتی صاحب کی عظمت مزید جاگزیں ہوجاتی۔ (والدِ گرامی مولانا رحمت اللہ صاحب کے حالات وخدمات کے لیے "تذکرۂ مولانا رحمت اللہ اعظمیؒ" ملاحظہ ہو)

عین الاسلام نوادہ میں تدریس کے دوران، جب نانا جان کی سوانح حیات "تذکرہ مولانا عبدالکریم اعظمیؒ" طبع ہوکر آ گئی، اور احقر نے اسے اپنے اساتذہ ومتعلقین کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے حوصلہ افزائی کی، حضرت مہتمم صاحب سے احقر نے عرض کیا کہ "میں مفتی یٰسین صاحبؒ کے حالات بھی لکھنا چاہتا ہوں"۔ پھر حالات کچھ ایسے ہوئے کہ وہاں تین سال تدریس کے بعد علیٰحدگی میں ہی عافیت معلوم ہوئی، اور لکھنے پڑھنے کے حالات بھی خاصا متاثر ہوکر رہ گئے۔

سالِ گزشتہ احقر اپنے رفیق مکرم قاری حنظلہ توحید اعظمی کے مکان پر ان کے نانا حضرت علامہ سیفی الاعظمیؒ کے کلام کو تلاش کرنے اور ان کو جمع کرنے میں مشغول تھا کہ سیفی صاحب کی ایک قدیم ڈائری میں مفتی یٰسین صاحبؒ کے تعلق سے ایک مضمون پر نظر پڑی، جو انہوں نے مفتی صاحب کی وفات کے بعد لکھا تھا، اسے دیکھ کر ایک بار پھر وہی ارادہ تازہ ہوگیا، اور مفتی صاحب کے تذکرہ کو جمع کرنے کا داعیہ اتنی شدت سے پیدا ہوا کہ احقر نے اس مضمون کو نئے کاغذ پر نقل کیا، اور مفتی صاحبؒ پر لکھے گئے اہلِ علم کے مقالات کو ڈھونڈنا اور جمع کرنا شروع کر دیا، مستقل تذکرہ لکھنے کے لیے نئے سرے سے نہ اتنی معلومات دستیاب ہوسکتی ہیں، نہ اسباب ووسائل مہیا ہوسکتے ہیں، اس لیے ان ہی اہلِ علم کے متفرق مضامین کو کتابوں اور رسالوں سے جمع کرکے ان کو مرتب کرنا شروع کیا، اللہ کی نصرت ومدد سے مقالات ومعلومات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا، فتاویٰ احیاء العلوم وتذکرۂ علماء اعظم گڑھ (اضافہ شدہ ایڈیشن)، تذکرۂ علماء مبارک پور (جدید اضافہ وتحقیق شدہ ایڈیشن)، اکابر احیاء العلوم، مشاہیر احیاء العلوم، دارالعلوم دیوبند کا وفیات نمبر، مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ کی آپ بیتی، مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کی حکایتِ ہستی اور کھوئے ہوؤں کی جستجو، اور مولانا جمیل احمد صاحب قاسمی مدنیؒ کی ذکرِ جمیل وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کرکے ان سے مضامین لیے گئے، مولانا محمد عثمان صاحب ساحؔر مبارک پوری کی مطبوعہ تحریر بشکلِ کتابچہ "حامئ دینِ مبین" باوجود تلاش وجستجو کے نہیں مل پارہی تھی، آخر کار وہ قدیم اور اہم تحریر حضرت قاری عثمان غنی صاحب عادلؔ جہانا گنجی زید مجدہٗ (سابق استاذ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور) کے ذریعہ دستیاب ہوئی، اسے بھی شاملِ کتاب کر دیا گیا، ان تمام مضامین ومقالات کو بعینہٖ نقل کر دیا گیا ہے، گرچہ ان میں سے اکثر میں مشمولات کا تکرار ہے، اور مختلف اوقات میں ان تمام مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے باتوں کو تحریر کیا ہے، اور حضرت مفتی صاحب کے مکمل حالات اور ان کی فقہی وعلمی خدمات کو تحریر کرنے کی

کوشش کی ہے، اس لیے تکرارِ مضامین کو علیٰ حالہٖ باقی رکھتے ہوئے کتاب کو مرتب کیا گیا ہے، اور فتاویٰ احیاء العلوم سے اکابر علماء کے تاثرات کو بھی نقل کیا گیا، منظوم کلام اور لوحِ تاریخ کو بھی لیا گیا، یہ کام مکمل ہو گیا تو ایک روز اپنے بڑے ماموں جان مولانا محفوظ الرحمٰن کریمی قاسمی صاحب کی خدمت میں اس "تذکرۂ مفتی یٰسین صاحبؒ" کا تذکرہ کیا، اور تذکرہ کی نوعیت کو ذکر کیا، انہوں نے تائید کی، جمع شدہ مضامین کو ملاحظہ کیا اور حوصلہ افزائی کی، اور فرمایا کہ "ہاں! یہ کام کرلو، ان کے بکھرے حالات جمع ہو جائیں گے" اور مزید باتیں مفتی صاحب کے تعلق سے بیان کیں، جو ان ہی کے حوالے سے کتاب کے آخر میں موجود ہیں۔

۱۵/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۵/اگست ۲۰۲۱ء بدھ سے احقر جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے شعبۂ عربی نسواں کی تدریسی خدمات سے وابستہ ہوا، تو "مفتی یٰسین صاحبؒ کے تذکرہ" کی کمپوزنگ وطباعت کی طرف بھی توجہ ہوئی، لکھنے پڑھنے کا جو معمول کم ہو گیا تھا، وہ پھر بحال ہوا، اور عالمی وبا کرونا وائرس ولاک ڈاؤن کے دوران سخت مشکل حالات کی زد میں آ کر جو قلم رک سا گیا تھا، اس نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلك، ان شاء اللہ اب ادھورے کاموں کی تکمیل ہوگی اور اللہ کی نصرت ومدد سے مزید دینی وعلمی کام ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بڑی خوشی کا مقام ہے کہ مفتی صاحبؒ کے نبیرہ گرامی قدر مکرمی مولانا عبدالباسط صاحب مبارک پوری نے حضرت مفتی صاحب کے اس تذکرہ کی طباعت واشاعت کا بیڑہ اپنے سر لے لیا ہے، یہ جہاں ان کی سعادت مندی ہے، وہیں ہمارے لیے بھی خوش قسمتی کی بات ہے کہ مفتی صاحب کے حالات وخدمات، جو متفرق تھے، وہ یکجا ہو کر محفوظ ہو جائیں گے، مولانا عبدالباسط صاحب سے احقر کی قدیم شناسائی ہے، دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں ان سے ملاقات ہوا کرتی تھی، جہاں وہ بسلسلۂ کاروبار (ساڑی فروخت کرنے) جایا کرتے تھے اور کبھی

کبھی حضرت اقدس مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی استاذ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند کے یہاں ٹھہرا کرتے تھے، اس دوران ہمارے کمرے میں بھی آیا کرتے تھے، مفتی عبداللہ صاحب معروفی، مفتی محمد امین صاحب مبارک پوری کے داماد ہیں اور مفتی محمد امین صاحب، مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کے بڑے لڑکے کے داماد ہیں، اس تعلق سے ان کا دیوبند کا سفر ہوتا تھا، جہاں ان سے ملاقات ہوتی تھی، پھر مبارک پور میں بھی بعض مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی اور سلام دعاء ہوتی رہی، ان سے حال ہی میں ایک مرتبہ اس تعلق سے گفتگو ہوئی، وہ فوراً کتاب چھپوانے کے لیے آمادہ ہو گئے، اور کہا کہ" کام آگے بڑھایئے، جو خرچ ہوگا، میں دوں گا" ان کے عزم وحوصلہ اور جذبۂ صادق کی برکت سے یہ تذکرہ اب کتابت وطباعت کے مرحلے سے ان شاء اللہ گزر سکے گا، اور مفتی صاحبؒ کے متعلقین ومحبین، تلامذہ ومستفیدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے لیے سرور بن سکے گا، اللہ کرے ایسا ہی ہو، اور اس کا نفع عام وتام ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کو اَڑتیس (۳۸) سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس دوران آپ کے بہت سارے تلامذہ ومتعلقین بھی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اور جو موجود ہیں، وہ بھی عمر کے آخری پڑاؤ میں ہیں، اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ خیر وعافیت کا معاملہ فرمائے، جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اس رسالہ کو قبول فرمائے، اور اسے مفتی صاحبؒ کے بقائے ذکرِ خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین، وصلی اللہ علی النبی الکریم والحمدللہ رب العالمین۔

کتبہ العبد الضعیف:

حبیب الرحمٰن الاعظمی ابراہیم پوری

فاضل دارالعلوم دیوبند

خادم التدریس شعبۂ عربی نسواں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور

۱۱ر صفر ۱۴۴۳ھ/ ۱۹ر ستمبر ۲۰۲۱ء اتوار بوقت شب

تاثراتِ اکابر

فتاویٰ احیاء العلوم

پر

اکابر علماء کے تاثرات سے منتخب اقتباسات

تاثرات

محدث جلیل حضرت مولانا الحاج ابوالمآثر حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے ضلع (اعظم گڑھ) میں جن عربی مدارس کے ذریعہ علمِ دین کے نشر واشاعت کی خدمت انجام پارہی ہے، اوران میں طلبہ پورا درسِ نظامی ختم کرکے، یا ابتدائی اور متوسط درجہ کی تعلیم پانے کے بعد دیوبند وغیرہ میں تکمیل کرکے ملک کے مختلف گوشوں میں علم کی خدمت کررہے ہیں، ان مدارس میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، اور کچھ شبہ نہیں کہ احیاء العلوم کو یہ مقام حضرت مولانا شکر اللہ مرحوم کی علمی وعملی سرگرمیوں کی بدولت حاصل ہوا ہے۔

اس مدرسہ میں تعلیم پاکر حضرت مولانا کی مربیانہ توجہات کی بدولت جو لوگ علم وفضل سے آراستہ ہوئے، ان میں ایک شخصیت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری مرحوم کی تھی، جنہوں نے پچپن برس تک اس مدرسہ میں تدریس وافتاء کی خدمت انجام دی، ان کے حلقۂ درس سے جن لوگوں نے استفادہ کیا، ان میں سے چند نام آپ کو ان کی سوانح حیات میں ملیں گے، اور افتاء کی جو شاندار خدمت انہوں نے انجام دی، اس کا اندازہ آپ ان کے

فتاویٰ سے لگا سکتے ہیں، جو "فتاویٰ احیاء العلوم" کے نام سے شائع کیے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب مرحوم کو ان کی خدمت کی بہترین جزاء عطاء فرمائے، اور جن لوگوں نے فتاویٰ کی ترتیب یا طباعت میں حصہ لیا، ان شاء اللہ وہ بھی اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو)

۶ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

تاثرات

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدیر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ دارالعلوم دیو بند میں تعلیم کے آخری مرحلہ دورۂ حدیث میں اس عاجز راقم سطور کے رفقائے درس میں سے تھے، طالب علمی کے اس دور میں بھی وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے درسی و علمی مشاغل میں انہماک اور صلاح وتقویٰ کے لحاظ سے ممتاز اور مثالی طلبہ میں سے تھے --- دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے کچھ ہی دن بعد بحیثیت استاذ احیاء العلوم سے وابستہ ہو گئے، تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی انہیں کے سپرد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصف صدی سے زیادہ انہوں نے بحسن وخوبی یہ خدمت انجام دی، ان کے فتاویٰ ماہنامہ "البلاغ" میں بھی شائع ہوتے تھے، جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افتاء کا ملکہ راسخ عطا فرمایا ہے۔

محمد منظور نعمانی عفی اللہ عنہ۔ لکھنؤ

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

تاثرات

حضرت مولانا الحاج نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ
سابق شیخ الحدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیو بند

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: امابعد

"فتاویٰ احیاء العلوم" حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ صدرالمدرسین جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے فتاویٰ کا انتخاب ہے، مفتی صاحب دارالعلوم دیو بند کے فارغ التحصیل اور محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں تھے، مفتی صاحب کا اناسی (۷۹) سال کی عمر میں انتقال ہوا، انہوں نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس اور افتاء میں گزار دی، ظاہر ہے کہ اتنے تجربہ کار اور منجھے ہوئے مفتی کے فتاویٰ عوام وخواص ہر ایک کے لیے کس قدر مفید ثابت ہوں گے، اس سے ہر شخص واقف ہے، فتاویٰ نویسی میں مفتی صاحب کی مہارت اور اصابتِ رائے کا اندازہ ان کے زیرِ نظر "فتاویٰ احیاء العلوم" سے بخوبی ہوسکتا ہے، مفتی صاحب نے بعض اہم مسائل کے بڑے مفصل ومحققانہ جوابات دیئے ہیں۔

دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرتب عزیز اور جن لوگوں نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے سبھی کے لیے اسے ذخیرۂ آخرت بنائے اور مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

محتاجِ دعاء..... نصیر احمد عفی عنہ

۳۰ / ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

تاثرات

حضرت مولانا الحاج مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ

سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (صاحبِ نظام الفتاویٰ)

باسمہٖ سبحانہ

الحمدلله الذی علم الانسان مالم یعلم والصلوٰة والسلام علی النبی الخاتم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین . امابعد

حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ کے اور ان کے فتاویٰ کے متعلق احقر اپنے سابق عریضہ میں ظن غالب کے درجہ میں اپنا خیال ظاہر کر چکا ہے۔ (حاشیہ میں اس کا اقتباس ملاحظہ ہو) (۱)

---

(۱) ۔۔۔۔نیز حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین رحمہ اللہ سے بھی احقر بہت حد تک واقف ہے، اس لیے کہ احقر کی ابتدائی تعلیم پانچ سال تک مسلسل اسی احیاء العلوم کی رہینِ منت ہے۔

فارسی کل سکندر نامہ، اخلاق محسنی وانوار سہیلی وانشاء خلیفہ حضرت مولانا نعمت اللہ رحمہ اللہ سے پڑھی اور عربی شرح مأۃ عامل تک استاذ مرحوم اور حضرت الاستاذ مولانا شکر اللہ رحمہ اللہ سے پڑھی، دونوں بڑے شفیق اساتذہ میں سے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین۔ اور عربی میں ہدایۃ النحو، نفحۃ الیمن اور کافیہ تا بحث منع صرف وسیلۃ یومی وغدی مصلح الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ وصی اللہ رحمہ اللہ سے پڑھی۔

جب احقر کافیہ پڑھ رہا تھا، اُس وقت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کنز الدقائق کی جماعت میں تھے، نہایت سیدھے سادے خموش صوفی منش، ولی صفت محنتی طلباء میں شمار تھے اور ہمارے شیخ حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ رحمہ اللہ سے خصوصی ربط رکھتے تھے، اس لیے احقر بھی بخوبی واقف تھا، پھر ابتداء میں کبھی کبھی احیاء العلوم کے سالانہ امتحان میں حاضری کا موقع بھی نصیب ہوا تھا اس لیے اور بھی موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اب پیشِ نظر کتاب "فتاویٰ احیاء العلوم" جلد اول کے چیدہ چیدہ مضامین کی زیارت کا موقع ملا، ماشاء اللہ موصوف کا فتاویٰ مدلل ومکمل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے علوم ومعارف پر بھی مشتمل ہے، جس سے اپنے سابق گمان غالب میں اور پختگی پیدا ہوگئی اور یقین ہے کہ ان شاء اللہ الرحمٰن موصوفؒ کے فتاویٰ عوام وخواص سب کے لیے نافع اور مفید ہوں گے، اور مرحوم کے لیے منجملہ اور ذخائرِ آخرت کے یہ بھی بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فتاویٰ کے جامعین مرتبین وناشرین ومعاونین سب کے لیے سعی مقبول ومشکور کا درجہ عنایت فرمائیں۔ اللھم تقبل منا ومن جمیع من انتفع بھا فقط والسلام علیٰ وعلیٰ من اھتدی بھا

العبد محمد نظام الدین
مفتی دار العلوم دیوبند
۲۷/ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ)

پھر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بہت سے جواباتِ استفتاء بھی احقر کو دیکھنے نصیب ہوئے ہیں، جوابات نہایت مدلل ومکمل ٹھوس دیکھنے میں آئے، علاوہ ازیں موصوف کی ساری زندگی علمِ دین ہی کی خدمت میں بصورت درس وتدریس گزری، اس لیے یقین ہے کہ موصوف رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا مجموعہ یقیناً مفید ہوگا اور خواص وعوام کے لیے نافع ہوگا اور ترتیب بھی دل پذیر اور نظر پسند ہوگی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اور تمام معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائیں، آپ سب کے لیے مع حضرت مفتی صاحب ذخیرۂ آخرت اور باعثِ نجات وفلاح بنائیں۔ آمین ثم آمین

مقالات ومضامین

حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب دام مجدہم

ازقلم: محدثِ جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ

(مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ نے یہ مضمون اپنی خودنوشت سوانح "آپ بیتی" میں اُس وقت لکھا تھا جب کہ حضرت مفتی صاحبؒ حیات تھے، مولانا کی یہ آپ بیتی "مجلہ سراج العلوم" چھپرا کی خصوصی اشاعت میں مطبوعہ ہے۔ مرتب)

۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا انورشاہ صاحب سے آپ نے آخری سال حدیث پڑھی، اس کے بعد شاہ صاحب مرحوم ڈابھیل تشریف لے گئے، فراغت کے بعد ایک دو مدرسہ میں مدرس رہے، اواخر ۱۳۴۶ھ میں اپنے استاذ مولانا شکراللہ صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس، پھر مفتی، پھر صدر مدرس اور مفتی ہوئے اور آج تک اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں، آپ کے فتاویٰ آج کل ہندو پاک میں سب سے زیادہ عمدہ، پُرمغز اور نہایت مدلل ہوتے ہیں، ۱۳۶۰ھ سے آپ نے اپنے فتاویٰ کی نقول رکھنی شروع کی، یہ ۳۴/ سالہ فتاویٰ اگر مرتب ہوجائیں تو فتاویٰ دارالعلوم سے ڈیڑھ گنی ضخامت میں ضرور ہوجائیں گے، آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالحفیظ صاحب (عرف قاضی اطہر صاحب) مبارک پوری اپنے رسالہ

البلاغ کے باب الاستفتاء میں مستقل آپ کے فتاویٰ چھاپتے ہیں، آپ کے شاگردوں کا سلسلہ بہت دراز ہے اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ضعفِ پیری کے باوجود مطالعہ سے پورا پورا شغف رکھتے ہیں، ایک فتویٰ میں آپ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم کی مخالفت کی اور دونوں جوابات حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجے گئے تو مفتی صاحب نے مفتی محمد یٰسین صاحب کے فتویٰ کی تصدیق فرمائی، جو احیاء العلوم کے نقول فتاویٰ میں تحریر ہے، مجھ سے بہت محبت فرماتے ہیں اور انتہائی شفیق ہیں، آپ کی صدارت کے زمانے میں ۱۲؍سال تک مدرسہ احیاء العلوم میں، میں نے تعلیم دی، تو آپ نے مجھ سے تو نہیں فرمایا لیکن متعدد احباب نے مجھے خبر دی کہ حضرت مفتی صاحب تم کو دایاں بازو فرماتے ہیں، یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے کاموں میں پورا پورا تعاون کیا کرتا تھا، ایک دفعہ حضرت سخت بیمار ہوئے اور مدرسہ آنے جانے کے لائق نہیں رہے تو فتویٰ نویسی کو میرے حوالہ فرمایا، جو میرے دوسرے محسنوں کو گراں گزرا، تو فتویٰ نویسی دوسرے اساتذہ کے حوالہ ہوگئی، جس کی مجھے کوئی شکایت نہیں، اگر کوئی حدیث ڈھونڈھنی پڑتی تو میرے حوالہ فرمادیتے اور میں اس کو تلاش کرکے دیتا تو بے انتہا خوش ہوتے، اخیر میں تدریس کے ساتھ جب میری تبلیغی مشغولیات بڑھ گئیں تو حضرت مفتی صاحب کے گھر پر جب بھی جانا ہوتا، بہت جلد میری ضرورت پوری فرمادیتے، اور فرزند اکبر بھائی عبدالاول صاحب مدظلہم کو ہدایت فرماتے کہ دیکھو مولوی صاحب کو جلد فارغ کردو، ان کے اوقات بے حد قیمتی ہیں، اپنے چھوٹوں کو کبھی تم کہہ کر نہیں خطاب فرماتے، ہمیشہ سب خدام کو "آپ" کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، جماعت کی نماز کے اتنے پابند ہیں کہ بارہ سال کے عرصہ میں شاید ہی کبھی تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی ہو، نماز پڑھاتے وقت آپ کی آواز میں بارہا گھبراہٹ پیدا

ہوجاتی ہے، اس وقت آپ استاذ الکل ہیں۔ اگر کہہ دوں

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

(”اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر کوئی بعید اور دشوار نہیں ہے کہ وہ عالَم کی ساری صفات کو ایک ذات میں جمع کردے“۔ یہ شعر ابونواس حسن بن ہانی کا ہے۔ حبیب اعظمی)

تو قطعی بے جانہ ہوگا، قصبہ مبارک پور اور قرب وجوار کا ہر چھوٹا بڑا آپ کا بے حد احترام کرتا ہے، اِلّا یہ کہ کوئی حسد کرے تو اس کا کچھ علاج نہیں، ضلع میں عمامہ باندھنے کی سنت پر آپ مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں اور ہر جمعہ کو جبہ بھی زیبِ تن فرما کر خطبہ دیا کرتے ہیں، سنت پر عمل کرنے کے لیے آپ نے جامع مسجد کا ممبر لکڑی کے تین زینوں کا بنوایا، آپ کی ذاتِ عالی مستغنی عن الصفات ہے، اللہ تعالیٰ دیر تک قائم باعافیت رکھیں، سن پیدائش مجھے معلوم نہیں۔ (ولادت: ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، وفات ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء) مرتب

(ماخوذ از مجلہ سراج الاسلام سہ ماہی ”خصوصی اشاعت بیاد حضرت مولانا زین العابدین المعروفی علیہ الرحمہ“ محرم تا ربیع الاول ۱۴۳۵ھ)

حامئ دین مبین

مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب قدس سرہ

از: مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوری

۲۲رمحرم ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹راکتوبر ۱۹۸۳ء بروز شنبہ مبارک پور، پورہ رانی، کپورا دیوان کی مسجد میں نمازِ فجر کے بعد حافظ مقبول احمد نے بتایا کہ بھور میں جامع مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان ہوا ہے کہ مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا، یہ دلدوز اور جگر فگار خبر سنتے ہی تمام مصلیوں پر اوس پڑ گئی، ناگاہ سب رنج وملال میں ڈوب گئے، میں بھی قاضی اطہر کے ساتھ مفتی صاحب کے مکان کی طرف چل پڑا، لال چوک سے آگے بڑھا تو سوگوار قطار در قطار نظر آئے، کوئی غم واندوہ میں غرق آرہا ہے کوئی جارہا ہے، دروازہ پر پہونچے تو بہت دور تک فرش بچھا ہوا تھا، اعزا، اقربا، متعلقین، طلبہ اور مدرسین غمگین اداس پندرہ بیس اٹھ رہے ہیں تو پچیس تیس جگہ خالی پا کر بیٹھ رہے ہیں۔

مفتی صاحب کا مدرسہ آنا جانا علالت کی وجہ سے بند ہو گیا تھا اور عرصہ سے مکان ہی پر رہتے تھے، جانے پر معلوم ہوا کہ ساڑھے بارہ بجے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپس کے مشورہ سے طے پایا کہ تدفین آبائی قبرستان علی نگر کے بجائے سمودی پر حضرت محی السنہ مولانا شکر اللہ صاحب قدس سرہٗ کی قبر کے پاس ہوگی اور نمازِ جنازہ وہیں عیدگاہ کے میدان میں ۳؍بجے ادا کی جائے گی، پندرہ بیس منٹ کے بعد وہاں سے واپس آ گئے کہ ضروریات سے فارغ ہو کر تجہیز و تکفین میں شرکت کی جائے۔

جامع مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے برابر نمازِ جنازہ اور جائے تدفین کے بارے میں اعلان ہوتا رہا۔

ڈیڑھ بجے نمازِ ظہر کے بعد باہر نکلے تو اعلان ہو رہا تھا کہ غسل دیا جا چکا، جنازہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں رکھا ہوا ہے اور ٹھیک ڈھائی بجے سمودی کی طرف روانہ ہو جائے گا، دیکھا تو تمام گلی کوچے ہجوم سے پُر، سیکڑوں آدمی احیاء العلوم کی طرف جا رہے اور آ رہے ہیں، اعلان برابر ہوتا رہا، چنانچہ ڈھائی بجے جنازہ سمودی کی طرف روانہ ہو گیا، تمام راستہ بھرا ہوا، بھیڑ میں قدم اٹھانا اور رکھنا مشکل تھا۔

بہ دقت تمام نصف کلومیٹر راستہ طے کر کے عیدگاہ کے قریب پہونچے تو تا حد نظر آنے والوں کا لامتناہی سلسلہ جو ختم ہونا جانتا ہی نہ تھا، جوق در جوق لوگ چلے آ رہے تھے، ناظم صاحب دیوار پر کھڑے ہو کر لاؤڈ اسپیکر سے برابر ہدایات دیتے جا رہے تھے اور مجمع کو ترتیب اور صف بندی کی تلقین بھی، مجمع تھا کہ سوگواروں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر وہ بھی ناپیدا کنار۔

قصبہ کے ۲۸؍محلوں کے علاوہ مضافات کے سیکڑوں دیہات کے عوام وخواص، ہر جگہ کے طلبہ، مدرسین، علماء، فضلاء، حفاظ، حجاج، چھوٹے بڑے ہر طبقہ کے لوگ تھے ہی، نیز بنارس، غازی پور، کوپاگنج، گھوسی، ادری، پورہ معروف، مئو، محمد آباد، خیر آباد، ولید پور، بھیرہ، جہاناگنج، جین پور، انجان شہید، بمھور، جموڑی، لوہرا، گجہڑا، فخر الدین پور، ابراہیم پور کے لوگ بھی کثیر تعداد میں آ گئے تھے، یہ وہ لوگ ہیں جن سے رواروی میں ملاقات ہوگئی اور نہ جانے

کہاں کہاں کے لوگ تھے۔

پہلے سے اعلان تھا کہ نمازِ جنازہ تین بجے ہوگی، مگر افتاں خیزاں آنے والوں کی رعایت کی وجہ سے میری گھڑی سے تین بج کر دس منٹ پر امام جامع مسجد مولانا محمد صدیق صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی، فراغت کے بعد اندازہ کیا گیا تو کم وبیش آٹھ نو ہزار کا مجمع تھا۔

مفتی صاحب کے صاحبزادگان عبدالاول اور عبدالاعلیٰ نیز ناظم صاحب نے جنازہ قبر میں رکھا، تختہ لگانے کے بعد مٹی دینے والوں کی بھیڑ، لوگ ایک پر ایک گر رہے تھے، حتی الامکان دھکا سے بچانے کی کوشش کرتے، مگر مجمع ہی اتنا بڑا تھا کہ ہر آدمی بے بس نظر آ رہا تھا، عصر کا وقت قریب تھا، اس لیے تدفین کا مرحلہ جلد از جلد طے کرنا چاہتے تھے، اگر عصر و مغرب کی نماز درپیش نہ ہوتی تو عشاء تک یہ سلسلہ چلتا رہتا، دعاء کے بعد واپسی ہوئی تو اعلان ہو رہا تھا کہ جامعہ حجازیہ میں بعد نمازِ عشاء تعزیتی جلسہ ہوگا۔

نماز کے بعد جلسہ شروع ہوگیا، سردی اور کھلا میدان ہونے کے باوجود کافی لوگ آ گئے تھے، ایک طالب علم پھر قاری عبدالخبیر صاحب نے تلاوت فرمائی، میں نے اور مولانا شمس الدین صاحب نے مختصر طور سے استاذ الاساتذہ حضرت مفتی صاحب کے حالات بتائے اور قاضی اطہر صاحب کی دعاء پر جلسہ ختم ہوگیا۔

مفتی صاحب مرحوم پیدائشی نحیف الجثہ، دبلے پتلے، دراز قامت، گھنی داڑھی لمبی، متانت اور سنجیدگی کا مجسمہ، پُروقار چہرہ، پائجامہ ڈھیلا، کرتا وسیع اور لمبا، دوپلیہ ٹوپی، کندھے پر رومال، یہ عام لباس تھا، مگر سردی کے موسم میں عمامہ کا بھی التزام تھا، درس وتدریس، فتویٰ نویسی کے علاوہ جامع مسجد کی امامت بھی انہیں سے متعلق تھی، جمعہ کے روز کوئی بھی موسم ہو، اکثر سیاہ عمامہ، سیاہ عبا اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔

احیاء العلوم سے تعلق جوانی سے بڑھاپے تک تقریباً ۵۵ رسال رہا، گھر کافی فاصلہ

پر تھا، مگر راستہ میں نگاہ نیچی، آتے اور جاتے، نہ کہیں اٹھنا نہ بیٹھنا، گھر سے مدرسہ اور مسجد۔

مطالعہ اور فتویٰ نویسی میں جزئیات کی تلاش وجستجو، مآخذ اور مراجع کی چھان بین کے پیشِ نظر اکثر مدرسہ ہی میں رات گزارتے، بسا اوقات لڑکوں سے کھانا یہیں منگوا لیتے، سردی ہو یا گرمی یا برسات کی جھڑی، ان کے معمولات اور درس وتدریس کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، تعلیم کا طریقہ سیدھا سادہ، محنت کرنا اور طالب علموں سے محنت لینا، ان کا طرۂ امتیاز تھا، ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی تھی کہ بچوں کو کچھ آ جائے، اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ طلبہ کی وضع قطع، لباس، کرتہ، پائجامہ، ٹوپی وغیرہ نیز نشست وبرخاست کا جائزہ لیا کرتے، اپنے طلبہ کو علماء، صلحاء کی شکل وصورت اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتے، کبھی کبھی ٹوپی اتروا کر بال کی تراش خراش بھی دیکھتے، اگر فیشنی قسم کا پاتے تو سخت تنبیہ کرتے۔

مقامی طلبہ کو نماز کی پابندی کی طرف بار بار توجہ دلاتے اور تاکید پر تاکید کرتے رہتے، عصر کی نماز اکثر خود ہی پڑھاتے اور مقامی لڑکوں کو عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد ہی گھر جانے کا موقع دیتے، مقامی میلوں ٹھیلوں پر قدغن لگا دیتے اور لک چھپ کر جانے والوں سے سخت احتساب کرتے اور بوقت ضرورت سزا سے بھی گریز نہ کرتے، غرض طلبہ کی تعلیمی اخلاقی تربیت کا پاس ولحاظ بہت ہی زیادہ تھا۔

دورانِ تعلیم میں کوئی مشکل مسئلہ آ جاتا تو دوبارہ سہ بارہ سمجھانے کی کوشش فرماتے، اس پر بھی اگر لڑکے مطمئن نہ ہوتے تو دوسرے دن بھی اس مسئلہ کو ذہن میں بیٹھانے کی سعی فرماتے، اسی وجہ سے طلبہ بھی ان کی اس محنت کی قدر کرتے، اعزاز واکرام، تعظیم وتوقیر میں فخر محسوس کرتے۔

مفتی صاحب کی سعی پیہم اس لیے تھی کہ طالب علم پُر وقار، با اخلاق، دیندار اور معیاری عالم بن کر قوم وملت کی صحیح خدمت کے قابل ہو۔

ہم لوگ ابتدائی عربی مفتی صاحب سے پڑھنے گئے تو درسی کتابوں کے علاوہ

غیر درسی کتاب دیوان حضرت علی اور کفایۃ المتحفظ بھی پڑھانے لگے، کفایۃ المتحفظ زبانی یاد کرنی پڑتی، روزانہ سبق سنانا پڑتا اور بہت مار پڑتی، اس وقت تو بہت برا لگتا تھا، مگر آج اس کا نتیجہ سامنے ہے، یہ ان کی شفقت تھی، مستقبل تابناک بنانے کے لیے خود بھی قیمتی وقت لگاتے اور ہم لوگوں کو بھی محنت ومشقت کا خوگر بنادیا۔

ہر پنجشنبہ کو گھر پر بلا کر تقریر کی مشق کراتے، طرزِ ادائیگی، صحیح تلفظ اور خطابت کا ڈھنگ سکھاتے، مقامی جلسوں میں دس دس پندرہ منٹ بولنے کا موقع دیتے اور خوب خوب ہمت افزائی فرماتے، ان کی دلی خواہش یہی تھی کہ عزیز طلبہ آسمانِ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب بن کر آفاق عالم کو منور کریں، درس وتدریس، تقریر وتحریر، وعظ وبیان، تبلیغ وتلقین، ارشادوہدایت نیز میدانِ خطابت میں بھی بہتر وبرتر مقام حاصل کریں، گفتار وکردار، علم وعمل میں نمونہ ہوں، شر سے دور، خیر کے طالب اور خیر اندیش بنیں، اپنا دامن بھی معاصی کے گردوغبار سے بچائیں، دوسروں کو بھی غلط روی سے باز رکھیں، اس زمانہ کی بات بات پر سرزنش اور ہر وقت روک ٹوک کھلتی تھی، مگر آج معلوم ہوا کہ دوا کا تلخ اور کڑوا گھونٹ شیریں اور خوش گوار صحت وتندرستی کا ضامن ہے، جراح کی نشتر زنی وقتی طور پر تکلیف دہ ہوتی ہے، مگر دائمی راحت وآرام اور سکون کا پیش خیمہ ہوتی ہے، استاذ کی مارحال کے اعتبار سے ناگوار مگر مستقبل خوش گوار بنادیتی ہے، ان کی جھڑکی بظاہر زہر مگر تریاق اثر ہوتی ہے۔

مفتی صاحب کو فتویٰ نویسی میں تحقیق وتدقیق کے ساتھ ساتھ جزئیات پر کافی عبور تھا، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ملک کے اہم اور بڑے مدارس کی صاحبِ افتاء شخصیتوں نے مفتی صاحب کے جواب پر رجوع کیا، یہ ایک فخر ومباہات کی چیز ہوسکتی تھی، مگر موصوف کی انکساری، خاکساری وبےنفسی میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی تھی۔

مقامی اور آس پاس کے دینی جلسوں میں مفتی صاحب کی شرکت ضروری سمجھی جاتی،

سنجیدہ انداز میں پندونصیحت، قرآن وحدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال واعمال کی روشنی میں اس طرح فرماتے کہ بات دل نشیں ہوجاتی، ان کی چندمنٹ کی سادہ بیانی گھنٹہ بھر کی لچھے دارتقریر سے تاثیر کے اعتبار سے بڑھ جاتی، اختتام جلسہ کے بعد تھوڑا سا میٹھا منہ میں ڈالنااور سوتے وقت اپنے ہاتھ سے سر پر تیل ڈالنا معمول تھا۔

کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا، لوگ بلا جھجھک مسائل پوچھتے اور مفتی صاحب تشفی بخش جواب مع حوالہ جات پیش فرمادیتے۔

مفتی صاحب مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان تھے، بحث ومباحثہ، چیں وچناں اور قیل وقال سے حتی الامکان پرہیز کرتے، پڑھاتے وقت لفظ کا صحیح اعراب، ترجمہ اور مفہوم، مختصر طور سے سمجھا دینا ہی ان کی خصوصیت تھی۔

مفتی صاحب تعلیم وتعلم اور خدمتِ دین کے مثالی پیکر تھے، تقویٰ طہارت، علم وفضل کے اس بلند مقام پر ہوتے ہوئے کسرِ نفسی اور ہیچ مدانی کا مظہر تھے، اپنے بڑوں کے اعزاز واکرام میں فرش راہ بن جاتے، شاگردوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ رکھتے۔

مرحوم کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے، اس کا پُر ہونا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے دامن عفو وکرم میں جگہ دے، ان کی قبر کونور سے بھر دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین ثم آمین

مفتی صاحب کی عمر اشاعتِ دین میں بسر ہوئی، اس کے علاوہ کوئی دوسرا مشغلہ نہیں تھا، درس وتدریس سے فارغ ہوتے، راحت وآرام چھوڑ کر کتابوں کے مطالعہ میں منہمک ہوجاتے، جب دیکھا کتابوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

پسماندگان میں چارلڑکیاں، دولڑکے صاحب الاولاد اور خوش حال ہیں، روحانی اولاد شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں اطراف واکناف اور ملک کے

اکثر و بیشتر حصوں میں پھیلے ہوئے خدمتِ علمِ دین میں مشغول ہیں، نیز مرحوم کی یادگار قیمتی فتووں کے بیسیوں ضخیم دفتر بھی ہیں، جو شائع ہوجائیں تو اہلِ علم اور عوام وخواص کے لیے مفید ہوں، زمانۂ حیات میں مفتی صاحب سے بزرگوں اور شاگردوں نے بارہا گزارش کی کہ ان قیمتی فتاویٰ کا شائع ہونا ضروری ہے، ملک، قوم اور اہلِ علم کو اس سے بہت مدد ملے گی، صاحبِ افتاء، علماء اور فضلاء کی بہت سی مشکلات حل ہوجائیں گی، مگر یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ میں کیا، میرا فتویٰ کیا، مگر ان فتووں کی قیمت کا اندازہ اس وقت ہوا جب قاضی اطہر صاحب کی ضد سے ماہنامہ البلاغ بمبئی میں قسط وار شائع ہونے لگا اور ملک کے اہلِ علم توصیفی خطوط کے ذریعہ خراجِ عقیدت پیش کرنے لگے، مفتی صاحب اس جہانِ فانی سے رخصت ہو کر رفیق اعلیٰ سے جاملے، مگر یہ قلمی جواہر پارے موجود ہیں اور ان کی ضرورت بھی ہے۔

مفتی محمد یٰسین بن عبدالسبحان بن شیخ عبداللہ ضلع اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبہ مبارک پور کے ایک محلہ پرانی بستی میں پیدا ہوئے، مبارک پور ریشمی کپڑوں کی صنعت میں زمانہ دراز سے مشہور ہے، یہاں کے صناع گل بوٹے، نقش ونگار والے دیدہ زیب اور پائیدار کپڑے بنانے میں یدطولی رکھتے ہیں، مفتی صاحب کے دادا شیخ عبداللہ صاحب بہت بڑے تاجر تھے، حیدرآباد دکن نوابوں کی شان وشوکت، خوش خواہی اور خوش پوشی کی وجہ سے اچھے اور اونچے تاجروں کو اطراف واکناف سے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا، جیسا کہ علم کی قدردانی کی وجہ سے جید علماء، فضلاء، ادباء اور شعراء کے لیے بھی باعثِ کشش تھا، شیخ عبداللہ صاحب کا حیدرآباد سے ربط ضبط تاجرانہ تھا اور کثرت سے آمدورفت کا سلسلہ رہتا، اسی کا اثر تھا کہ مفتی صاحب کے تمام بھائی اونچی اونچی تجارت میں لگ گئے، مگر مفتی صاحب نے تعلیم وتعلم کو اپنا لیا اور ترغیب کے باوجود کبھی اس طرف رخ نہ کیا۔

مفتی صاحب کی تاریخ پیدائش یکم محرم ۱۳۲۵ھ (غالباً ۱۴؍فروری ۱۹۰۷ء بروز

پنجشنبہ) ہے، جب ہوش سنبھالا تو پرانی بستی کے مایۂ ناز عالم مولانا عبدالرحمٰن ولد حاجی محمد قاسم نے بسم اللہ کرائی، قرآن شریف حکیم محمد سعید صاحب پورہ صوفی سے پڑھا، پھر مدرسہ احیاء العلوم میں داخل ہو گئے، جو اس وقت بھی تعلیمی حلقوں میں بہت اونچا مقام رکھتا تھا، مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوری، مولانا علی احمد صاحب، مولانا نعمت اللہ صاحب، مولانا شکر اللہ صاحب جیسے محنتی اور ذی استعداد مدرسین معیارِ تعلیم بلند سے بلند تر بنانے میں لگے ہوئے تھے۔

مفتی صاحب اردو، فارسی اور عربی کی معتد بہ کتابیں پڑھنے کے بعد گھوسی ضلع اعظم گڑھ چلے گئے اور جسمانی اور علمی استعداد قابلِ اعتماد ہوگئی تو ہندوستان کی مشہور درس گاہ دارالعلوم دیوبند دو سال کے لیے چلے گئے، ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کر لی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے مبارک پور کی تعلیم کے زمانہ میں شرف تلمذ حاصل ہے، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردوں کی شائع شدہ فہرست میں مفتی صاحب کا نام بھی ہے۔

فراغت کے بعد کچھ دن تدریسی سلسلہ میں (بروایت مولانا محمد عمر صاحب) پنڈ دادن خاں پنجاب میں رہے، مگر دور دراز مسافت اور صعوبتِ سفر نا قابلِ برداشت تھی، اس لیے گھر سے قریب ابراہیم پور میں مدرسی قبول کر لی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مادرِ علمی جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں ۱۳۴۹ھ میں بمشاہرہ پندرہ روپیہ تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور محی السنۃ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب جیسے مشفق اور مربی نگراں کی توجہ سے علمی حلقوں میں اس اونچے مقام پر پہونچ گئے، اللہ تعالیٰ نے اس قلیل تنخواہ میں گزر بسر کی توفیق دی اور بڑے بڑے مدارس اونچی اونچی تنخواہ کی ترغیب دیتے رہے، مگر مفتی صاحب قناعت پسند تھے، آخری عمر تک احیاء العلوم سے وابستہ رہے، بعد میں ملکی حالات کے پیشِ نظر یہاں بھی تنخواہ میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۱۹۴۶ء میں زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ

(وفات: ۲۲؍محرم الحرام ۱۴۰۴ھ)

ازقلم: شیخ طریقت حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

حقیقی شعور تو خدا جانے کب حاصل ہو، لیکن عُرف عام میں جو عمر شعور کی عموماً کہی جاتی ہے، اس میں بندہ نے قدم رکھا، تو میرا محدود حلقہ، جس میں دین اور دین داری کا چرچا غالب تھا، اس محدود حلقے میں چند نام بار بار کان میں پڑتے تھے، ان ناموں کے ساتھ بڑا انس ہو گیا تھا، ان کے واسطے سے وہ شخصیتیں، جن کے ساتھ یہ نام وابستہ تھے، دل و دماغ کے تصورات پر چھا گئی تھیں، یہ زیادہ تر قریبی اور علاقائی شخصیتیں تھیں، موقع بموقع ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوتا رہتا تھا، ان کو دیکھ کر، ان کے پاس بیٹھ کر، ان کی باتیں سن کر اللہ ورسول کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، ایمان میں اضافہ ہوتا تھا، دین کی محبت بیدار ہوتی تھی، علمِ دین کے حصول کا شوق دل میں کروٹیں لینے لگتا تھا، ان ناموں میں ابتدائی عمر کے اس مرحلے میں سب سے اہم نام مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کی معروف شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ کا تھا، انھیں عام طور سے "مفتی صاحب" کہا جاتا تھا، جب کوئی آگے پیچھے بغیر کسی قید و تصریح کے "مفتی صاحب" کہتا تو ہر شخص کا ذہن بے تکلف انہیں کی طرف منتقل ہوتا، ہمارے علاقے میں، جو مبارک پور اور اس کے گرد و پیش پر مشتمل ہے، یہ نام اتنا جانا پہچانا تھا کہ چھوٹا، بڑا، عالم و جاہل ہر ایک "مفتی صاحب" سے واقف تھا، کوئی دینی مسئلہ خواہ کیسا ہی

ہو، روزمرہ کا معمولی مسئلہ ہو، یا کوئی اہم پیچیدہ مسئلہ، اس کے ساتھ "مفتی صاحب" کا نام ضرور لیا جاتا، لوگ کسی مسئلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جب کہہ دیتے کہ "مفتی صاحب" نے ایسا ہی بتایا ہے، تو سننے والے سمع وطاعت کے ساتھ گردن جھکا دیتے، ہر دل ان کے احترام سے معمور تھا، ان کا قول قولِ آخر ہوتا تھا، ان کی ثقاہت، ان کے فتاویٰ اور ان کی بے نفسی پر سب کا اتفاق تھا، جہاں پہونچ جاتے دینی مسائل کے علم کی بہار آجاتی، کبھی کوئی دینی جلسہ ہوتا تو "مفتی صاحب" کو دعوت دی جاتی، "مفتی صاحب" بہت مصروف ہوتے، مگر قبول کر لیتے، اور لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی، مسائل سوچ سوچ کر رکھے جاتے کہ "مفتی صاحب" سے پوچھے جائیں گے۔

"مفتی صاحب" جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں صدر الاساتذہ اور صاحبِ افتاء تھے، احیاء العلوم ہمارے حلقہ کا مرکزی مدرسہ ہے، ایک طرف "مفتی صاحب" کی دینی اور علمی وفقہی عظمت واحترام کی جڑیں اگر لوگوں کے دلوں میں پیوست تھیں، تو قومی وملی اور خانگی مسائل ومعاملات میں احیاء العلوم کے ناظم مولانا عبد الباری قاسمی مرحوم مرکزِ نگاہ تھے، ان دونوں شخصیتوں نے احیاء العلوم کو ہر اعتبار سے مرکز بنا دیا تھا۔

میں نے "مفتی صاحب" کو کس عمر میں دیکھا، کچھ یاد نہیں ہے، لیکن جس عقیدت ومحبت کی نگاہ سے انہیں دیکھا تھا، اس نے حافظہ میں آج تک ان کی پہلی زیارت کے نقوش کو تازہ کر رکھا ہے، لمبا کُرتا، شرعی پاجامہ، سیاہ خوبصورت عمامہ، سینے پر چھائی ہوئی سفید داڑھی، ہلکا پھلکا بدن، سنجیدہ مگر شگفتہ چہرہ، اس حلیہ میں ایک وجیہ شخصیت نظروں کے سامنے اب بھی محسوس ہو رہی ہے، کوئی مخاطب ہوتا، تو مسکرا کر اس کی طرف متوجہ ہوتے، اور جواب دیتے تو سوال کی گرہوں کے ساتھ دل کی گرہیں بھی کھلتی چلی جاتیں، کوئی جلسہ تھا، اسٹیج پر بیٹھے تو وہی مرکزِ نگاہ بن گئے، ظاہری حسن وجمال تو نہ تھا، مگر علمِ دین اور تقویٰ کے نور نے چہرہ کو دیدہ

زیب بنادیا تھا، انہوں نے وعظ شروع کیا، تو مجمع سراپا گوش ہوگیا، اس لیے نہیں کہ کوئی مرصع تقریر ہورہی تھی، سیدھے سادے بول نکل رہے تھے، نہ لچھے دار الفاظ تھے، نہ خطابت کا اتار چڑھاؤ تھا، نہ جوشِ بیان تھا، نہ زورِ زبان تھا، مگر محبت وعقیدت نے ہر ایک کو مسخر کررکھا تھا، دورانِ وعظ حدیثیں کثرت سے پڑھ رہے تھے۔

اس دیدوزیارت کے بعد بار بار زیارت ہوتی رہی، پھر خوش قسمتی سے توفیقِ الٰہی نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے بابرکت ماحول میں اس خاکسار کو پہونچادیا، اب تو ہر روز کی ملاقات اور زیارت تھی، چار سال تک بندہ اس مدرسہ کا طالبِ علم رہا، ان چار برسوں میں "مفتی صاحب" کو زندگی کے مختلف مرحلوں میں دیکھنے کے مواقع خوب ملے، ان سے باقاعدہ کوئی سبق پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، کیوں کہ ان کی اصل مشغولیت فتویٰ نویسی کی تھی، صرف دو اسباق ان کے پاس ہوتے تھے، ایک عربی کی بالکل ابتدائی جماعت کا، غالباً میزان ومنشعب ان کے درس میں رہتی تھی، دوسرے مشکوٰۃ شریف کا درس ان کے ذمہ تھا، بندہ عربی دوم کی جماعت میں داخل ہوا تھا، اس لیے "حضرت مفتی صاحب" سے باضابطہ سبق پڑھنے کی نوبت نہ آئی، البتہ استفادہ کا موقع کبھی کبھی مل جاتا تھا۔

اس وقت میں "حضرت مفتی صاحب" کی جن خصوصیات کا خاص چرچا تھا، ان میں سب سے دلچسپی کی چیز یہ تھی کہ "مفتی صاحب" طلبہ سے صرفی ونحوی سوالات بہت کرتے تھے، اس طرح ذہین وہوشیار طلبہ صرف ونحو میں بہت جلد رسوخ حاصل کرلیتے تھے، ان کے پاس کوئی طالب علم کسی عنوان سے کسی وقت پہونچ جاتا، تو ضرور تھا کہ اس سے صرف یا نحو کا کوئی قاعدہ، اس کی کوئی مثال، مثال پر قواعد کا انطباق دریافت کرتے، مجھے خوب یاد ہے کہ طلبہ "مفتی صاحب" کی درس گاہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے گھبراتے تھے، اور جب کسی کو گزرنا ضروری ہوتا تو

اس طرح دبے پاؤں گزرنے کی کوشش کرتا کہ "مفتی صاحب" کو خبر نہ ہو، ورنہ ضرور آواز دیں گے، اور کچھ نہ کچھ پوچھیں گے، "مفتی صاحب" کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی درس گاہ میں کتابوں کے مطالعہ میں غرق ہوتے، قدموں کی آہٹ اگر ان کے کانوں میں آجاتی، تو سر اٹھائے بغیر پکارتے: کون ہے؟ گزرنے والا بیچارہ حاضر ہوتا، اس سے نام پوچھتے، اگر نام کے ذیل میں کوئی سوال ہوتا تو اسے برجستہ پوچھتے، کس جماعت میں پڑھتے ہو؟ اسے دریافت کرتے، پھر اس کی استعداد کے مناسب کوئی صیغہ، کوئی قاعدہ دریافت فرماتے، طالب علم ہوشیار ہوتا تو اسے کوئی نیا علم حاصل ہوجاتا، کسی قاعدہ کا کوئی مخفی گوشہ نمایاں ہوجاتا، مغفل ہوتا تو اسے اپنی غفلت دور کرنے کا احساس پیدا ہوجاتا، "مفتی صاحب" کے یہ سوالات بہت کارآمد ہوتے، طلبہ کا ذہن کھل جاتا، صیغوں اور قواعد کے باریک نکتوں کی جانب ذہن کی رسائی ہوجاتی۔

ایک بار مفتی صاحب منشعب کا سبق پڑھا رہے تھے، ایک طالب علم درس گاہ کے سامنے سے گزرا، اسے بلالیا، پوچھا: کیا نام ہے؟ اس نے محمد عیسیٰ بتایا، عیسیٰ اسم متمکن کی سولہ قسموں میں سے کون سی قسم ہے، اس کا اعراب کیا ہے؟ وہ عربی چہارم کا طالب علم تھا، مگر "مفتی صاحب" کے رُعبِ علم کی وجہ سے لڑکھڑا گیا، اور صحیح جواب نہ دے سکا۔ پھر پوچھا کہ ادھر کہاں جارہے تھے، اس کی زبان سے نکلا کہ بارش ہورہی تھی، معاً پوچھا کہ "بارش" کون سا اسم ہے، وہ مزید بوکھلا گیا، پھر "مفتی صاحب" نے منشعب کے طالب علموں کے سامنے یہی سوال رکھے، انہوں نے بتایا کہ عیسیٰ اسمِ مقصور ہے، پھر سوال ہوا کہ اسم مقصور کیا ہوتا ہے؟ اس کا جواب دیا گیا، پھر اس کا اعراب دریافت فرمایا، طلبہ نے اس کا بھی صحیح جواب دیا۔ بارش والا سوال کیا تو کسی نے بتایا کہ بارش بروزن فاعل ہے۔ ایک بار طلبہ سے پوچھا "مارینا" بھون کھا، کون سا صیغہ ہے، طلبہ چکرا اٹھے، پھر خود ہی بتایا کہ "مارینا" صیغہ جمع متکلم فعل ماضی منفی ہے، صیغہ صرف

اتنا ہی ہے، مگر طلبہ کے انتقالِ ذہنی کے امتحان کے لیے "ماریبنا" کی مناسبت سے بھون کھا کا اضافہ کردیا، کہ دیکھیں طلبہ کا ذہن منتقل ہوتا ہے یا نہیں، اس طرح کے بہت سے الفاظ ان کے پاس محفوظ تھے، جن کی وہ طلبہ کو مشق کرایا کرتے تھے، ان کی خدمت میں عربی کی ابتدائی کتابیں جو طلبہ پڑھ لیتے تھے، وہ صرفی اور نحوی قواعد اور ان کے اجراء میں بہت پختہ اور مشّاق ہوجاتے، اس وقت طلبہ اردو کے الفاظ سے عربی کے صیغے بکثرت بنایا کرتے تھے۔

"مفتی صاحب" کا مطالعاتی اور علمی انہماک، نمونے کے انہماک تھا، میں نے انھیں بڑھاپے میں پایا، جب کہ ان کی عمر تقریباً ۶۰ رسال کی تھی، قُویٰ کمزور ہوگئے تھے، بینائی بھی مدھم پڑ چکی تھی، مگر ان کا عالم یہ ہوتا کہ درس گاہ میں ہر طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا ہوتا، اور وہ ان میں گم ہوتے، وہ کسی وقت خالی نہ رہتے، دن ہو، رات ہو، صبح ہو، شام ہو، اندھیرا ہو، اجالا ہو، گرمی ہو، سردی ہو، بارش ہورہی ہو، ہوا چل رہی ہو، کیڑے گر رہے ہوں، وہ ہمہ وقت مطالعہ میں مصروف رہتے، ایک ایک کتاب کو بار بار پڑھتے، ضروری باتوں کے اشارات جلد کے سادہ ورق پر لکھ لیتے، کتابوں پر بکثرت حواشی لکھتے، تحریر ان کی بے حد پاکیزہ تھی، حروف نگینے کی طرح جڑے ہوئے معلوم ہوتے، جو کتاب بھی ان کے زیرِ مطالعہ رہی ہوگی، اس کے سادہ اوراق، اس کے حواشی سراپا شہادت ہوں گے کہ "مفتی صاحب" کے مطالعہ کا شرف اسے حاصل ہو چکا ہے۔

طلبہ کے درمیان یہ بات بہت معروف تھی کہ "مفتی صاحب" ابتداء میں ذی استعداد نہ تھے، حافظہ بھی ان کا بہت کمزور تھا، اپنے ہم درس رفقاء میں بہت غبی شمار ہوتے تھے، ان کے ایک ہم سبق بزرگ جو مرحوم ہو چکے، میں نے ان سے سنا تھا کہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ کو جب "مفتی صاحب" سبق سناتے، اور اتفاقاً ان کی نگاہ ان کی طرف اٹھ جاتی، تو پھر وہ ایک لفظ بھی آگے نہ بڑھ پاتے، سب کچھ بھول جاتے، اس لیے ان کی طالب علمی بڑی

مشقت کی تھی، مگر انہوں نے اپنے ذہن وحافظہ کی کمزوری کی تلافی اپنی غیر معمولی محنت وریاضت اور اپنی سعادت مندی وتقویٰ اور یکسوئی سے کرلی تھی۔ ہمارے بعض اساتذہ طلبہ کو جب علم کی ترغیب دیتے تو "حضرت مفتی صاحب" کو مثال میں پیش کرتے کہ دیکھو کیسے تھے اور ان کی غیر معمولی یکسوئی اور محنت ومشقت نے انھیں علم کے کس رتبے پر پہونچادیا۔

ان کا خاص فن فقہ وفتاویٰ تھا، اس میں انھیں غیر معمولی استحضار تھا، کثرت وتکرارِ مطالعہ نے تمام کتابیں ان کے ذہن ودماغ میں محفوظ کردی تھیں۔ مطالعہ کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کبھی رات میں بجلی غائب ہوجاتی، تو دوسرے لوگ تو اس کے انتظار میں اپنا وقت گزارتے، مگر "مفتی صاحب" فوراً موم بتی روشن کرتے اور مطالعہ کا تسلسل جاری رکھتے، ہوا تیز ہوتی، تو خواہ کتنا ہی موسم گرم ہوتا، کمرے کی تمام کھڑکیاں بند کردیتے، تاکہ موم بتی ہوا سے متاثر نہ ہو، گرمی زیادہ ستاتی تو کرتا اتار دیتے، کبھی بنیائن بھی اتار دیتے، پسینے میں تربتر ہوتے، مگر مطالعہ کے انہماک میں فرق نہ آتا، وقت ضائع کرنے کا ان کے یہاں کوئی خانہ ہی نہ تھا، ان کو کبھی کسی نے خالی بیٹھے نہ دیکھا ہوگا، پڑھتے ہوتے، یا لکھتے ہوتے، پڑھاتے ہوتے، یا مسئلہ بتاتے ہوتے، صحت مند ہوتے تو پڑھتے، بیمار ہوتے تو پڑھتے، اچھے اچھے حوصلہ مند جب ہمت ہار جاتے، تب بھی وہ پڑھتے رہتے، کسی کتاب کو وہ ایک مرتبہ نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بار بار پڑھتے تھے، اتنی مرتبہ پڑھتے کہ اس کے مضامین محفوظ ہوجاتے، اس طرزِ مطالعہ نے علم کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے ذہن ودماغ میں محفوظ کردیا تھا، اسی ذہن ودماغ میں جس کی کمزوری معروف تھی، ان کی محنت اوران کی یکسوئی، طلبہ وعلماء کے لیے درسِ بصیرت تھی، مایوس طالب علموں کے لیے ان کی ذات امیدوں کا چراغ تھی۔

بایں ہمہ علم وتفقہ، وہ تواضع وانکساری کے بھی پیکر تھے، انہوں نے اپنی کوئی حیثیت

کبھی نہیں سمجھی، وہ ہر شخص سے استفادہ کرنے کے لیے تیار رہتے، اوراس میں ذرا بھی عار محسوس نہ کرتے، تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مرتبہ رمضان شریف میں مجھے جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں قیام کی سعادت حاصل ہوئی، "مفتی صاحب" کی درس گاہ کے قریب ایک حجرہ میرے لیے تجویز کردیا گیا۔ "مفتی صاحب" رمضان شریف کی تعطیل میں بھی دن بھر مدرسہ میں تشریف رکھتے، اور ہمہ وقت منہمک رہتے، مغرب سے کچھ قبل گھر تشریف لے جاتے، اور فجر کی نماز پڑھ کر مدرسہ تشریف لاتے، ایک صاحب دور سے چل کر تراویح کا ایک الجھا ہوا مسئلہ لے کر آئے، اور دریافت کرنے کے لیے مجھ کو واسطہ بنایا، میں نے جا کر صورتِ حال عرض کی، "مفتی صاحب" مسکرائے اور فرمایا کہ آپ جب پوچھتے ہیں، مشکل مسئلہ ہی پوچھتے ہیں، اس سے چندروز قبل میں نے نوٹ کی شرعی حیثیت کے سلسلے میں "مفتی صاحب" سے کافی استفادہ کیا تھا، اسی کی طرف اشارہ تھا، پھر فتاویٰ قاضی خاں میں باب التراویح نکالا، اور ایک عبارت پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اسے پڑھ لیجئے، اسے پڑھا تو میرے سوال کا جواب بعینہٖ اس میں موجود تھا۔ یہ تھا ان کا استحضار! پھر میں نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو اپنی قیام گاہ پر لے جا کر پوری بحث پڑھ لوں، فرمایا کہ بہت اچھا، اور مزید فرمایا کہ پڑھ لیجئے، اور کوئی نئی بات نظر آئے، تو مجھے بھی بتادیجئے گا، میں حیرت زدہ رہ گیا کہ حضرت آپ کے لیے کون سی بات اس میں نئی ہوگی، فرمایا: ہاں ایسا ہوسکتا ہے، ممکن ہے کسی بات کی طرف میرا ذہن نہ گیا ہو۔

میں نے متعدد بار دیکھا کہ جب کسی صاحبِ علم نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو بجائے زبانی جواب دینے کے، کتاب میں وہ مسئلہ نکال کر دے دیتے کہ پڑھ لیجئے، اس طرح وہ خاموشی سے تربیت فرماتے، اور اہلِ علم کو ماخذ کی نشان دہی کرتے، نوٹوں کے سلسلے میں جب میں نے ان سے استفادہ کرنا چاہا تو اس کے متعلق تمام حوالجات، مضامین اور

کتابیں میرے حوالہ کر دیں، "مفتی صاحب" کے اسی ایک طرزِ عمل سے ان کے علمی استحضار، تواضع وانکسار اور حسنِ تربیت ہر ایک کا اندازہ ہوتا ہے۔

رمضان شریف میں بھی جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر وقت کتابوں میں مستغرق رہتے، صحت اس وقت ان کی اچھی نہ تھی، بڑھاپا، اعذار اور مختلف عوارض کا ہجوم تھا، مگر جب ان کے ہاتھ میں کتاب ہوتی، تو ان میں سے گویا کوئی بات نہ ہوتی، کتابوں نے انہیں دنیا کی تمام الجھنوں سے بالکل یکسو کر رکھا تھا۔

وہ مبارک پور جامع مسجد کے امام تھے، جمعہ کی نماز وہی پڑھاتے، کبھی سیاہ اور کبھی سبز عبا پہن کر، خوبصورت صافہ باندھ کر عصا بدست خطبہ کے لیے جب کھڑے ہوتے، تو جامع مسجد اسلامی جاہ وجلال سے بھری نظر آتی، "مفتی صاحب" بہت متقی اور دین دار انسان تھے، ان کے تقویٰ اور تدین کی وجہ سے مسلمانوں کو ان پر کمال درجہ اعتماد تھا، اپنے تو اپنے ہیں، مسلک کے اعتبار سے جو شدید مخالف ہیں، یعنی رضا خانی فرقہ کے لوگ، ان کے دل بھی "مفتی صاحب" کی عظمت سے لبریز تھے، کسی مسئلہ کا اعلان اگر "مفتی صاحب" کی طرف سے ہو جاتا، تو انھیں بھی اس پر اطمینان ہوتا، اور اسے تسلیم کرتے، یہ اور بات ہے کہ گروہی عصبیت کبھی مانع ہو جاتی ہو۔

"مفتی صاحب" کے تقویٰ اور ذوقِ مطالعہ کے سلسلے میں ہمارے دوست مولانا عبدالرب صاحب اعظمی سناتے ہیں کہ ایک روز مغرب کی نماز کے بعد وہ کچھ رفقاء کے ساتھ "مفتی صاحب" سے ملاقات کے لیے مبارک پور پہونچے، معلوم ہوا کہ وہ گھر پر ہیں، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ محلہ کی مسجد میں مصروفِ مطالعہ ہیں، یہ لوگ حاضر ہو گئے، دیکھا کہ مسجد کے اندرونی حصے میں گرمی کی وجہ سے کرتا اتارے ہوئے، ایک معمولی چراغ کی روشنی میں کتاب دیکھ رہے ہیں، ان لوگوں نے سلام کیا، وہ چونک کر متوجہ ہوئے، پھر چراغ اٹھایا اور اسے ساتھ

لے کر گھر کی جانب چلے، انہوں نے چراغ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ میرے گھر کا چراغ ہے، نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے، تو مسجد کا دیا بجھا کر اپنا چراغ جلا لیتا ہوں اور اس میں مطالعہ کرتا ہوں، اللہ اکبر، یہ تھی احتیاط اور یہ تھا تقویٰ! اور صرف اسی ایک معاملہ میں نہیں، زندگی کے ہر معاملہ میں "مفتی صاحب" اسی اہتمام سے تقویٰ کو کام میں لاتے تھے۔

"مفتی صاحب" نے خود کو علم کے لیے اور خدمتِ علم کے لیے اس طرح فنا کر دیا تھا کہ پھر اس کے بعد دنیاوی کسی خرخشہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی، انہیں دنیاوی مسائل ومعاملات کی جزئیات کے علم تک سے کوئی سروکار نہ تھا، اسی کمالِ یکسوئی نے علم وتفقہ میں رسوخ تام بخش دیا تھا، ان کے فتاویٰ بہت پختہ اور معتبر ہوتے، کبھی دوسرے صاحبانِ افتاء سے اختلاف ہوتا، تو دلائل کے لحاظ سے انہیں کی بات بھاری رہتی، فتاویٰ کے رجسٹر میں ایسے کئی مسائل نظر سے گزرے ہیں، جس میں دوسرے مفتیانِ کرام سے ان کا اختلاف ہوا ہے اور ترجیح وقوت انہیں کے فتاویٰ کو حاصل ہوئی ہے۔

"مفتی صاحب" کے فتاویٰ کا ایک انتخاب "فتاویٰ احیاء العلوم" کے نام سے ایک جلد میں شائع ہوا ہے، اس کے بعد اور جلدیں شائع کرنے کا منصوبہ تھا، مگر شاید کام رک گیا، کاش ان کے تمام فتاویٰ شائع ہوجاتے، ان کی حیات میں رسالہ البلاغ بمبئی میں ان کے فتاویٰ شائع ہوا کرتے تھے، ان کے قلم سے لکھے ہوئے فتاویٰ کی تعداد بہت ہے، وہ علم وتفقہ کا بیش بہا خزانہ ہے، احیاء العلوم کے کارپردازوں کی ذمہ داری ہے کہ اس خزانہ کو بہتر شکل میں وقفِ عام کریں۔

"مفتی صاحب" اپنے فتاویٰ کے نقول اہتمام سے رکھتے تھے، بہت سا تو خود اپنے دستِ خاص سے نقل کرتے، لیکن مصروفیت میں کبھی وقت نہ ملتا تو کسی خوشخط طالب علم سے جس کے فہیم ہونے کا گمان ہوتا، نقل کراتے، اس کی معلومات کرتے رہتے کہ کون سا طالب علم اچھا

لکھتا ہے، جس کے بارے میں معلوم ہوجاتا، اسے بلاتے، اس سے لکھواتے، تحریر پسند آتی تو خوب مسکراتے، تحسین فرماتے کہ اب تمہیں سے لکھوایا کروں گا، کئی بار یہ سعادت اس خاکسار راقم سطور کو بھی بخشی گئی۔

"مفتی صاحب" کا علاقہ کے تمام مدارس اور گاؤں اور قصبوں سے گہرا ربط تھا، جب کوئی دینی تقریب ہوتی، کوئی جلسہ ہوتا، کسی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنا ہوتا، تو "مفتی صاحب" یاد کیے جاتے، بعض مقامات پر جلسہ ان کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا تھا، "مفتی صاحب" بخوشی ان جگہوں پر تشریف لے جاتے، مدارس میں طلبہ کے امتحان کے لیے جاتے، وعظ "مفتی صاحب" کا بالکل سادہ ہوتا، اس میں مشکوٰۃ شریف کی احادیث بکثرت پڑھتے اور ان کا ترجمہ کرتے، ان کا وعظ سادگی کے باوجود بہت مؤثر ہوتا۔

"مفتی صاحب" فنافی العلم تھے، اس فنائیت کا نقطۂ عروج یہ تھا کہ دین، علمِ دین، فتویٰ اور کتاب کے علاوہ ہر چیز انھیں فراموش ہوگئی تھی، علوم کے استحضار کا عالم تو آپ دیکھ ہی چکے کہ کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو مسئلہ تو الگ رہا، براہِ راست اس کے مآخذ سے عبارت نکال کر دکھلا دیتے، مگر دنیوی امور سے بے تعلقی بلکہ بے خبری کا حال یہ تھا کہ حیرت ہوتی ہے، یقین نہیں آتا کہ دنیا میں رہتے ہوئے ایسا بھی ہوسکتا ہے، اس سلسلے میں "مفتی صاحب" کی طرف ایسی ایسی باتیں منسوب ہیں کہ جو انھیں نہیں جانتا، شاید وہ کسی طرح یقین کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوگا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خود میرے تجربہ میں ایسے کتنے معاملات "مفتی صاحب" کے آئے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا مجھ سے بیان کرتا، تو شاید یقین کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا، اور آج میں ان میں سے چند باتیں لکھنا چاہتا ہوں تو ڈر رہا ہوں کہ پڑھنے والے کہیں تکذیب نہ کر بیٹھیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کو اتنے انواع والوان میں تقسیم فرما رکھا ہے کہ

سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، ایسے لوگ بھی اسی دنیا میں پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں کہ جس طرف انہوں نے رخ کیا ہے، اس میں کمال درجہ رسوخ حاصل کرلیا، اس کی ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک ان کی نگاہ کی گرفت میں آجاتی ہیں، علم وفن کے کسی شعبہ میں اپنی ہمت صرف کرتے ہیں تو ایک سے بڑھ کر ایک گل بوٹے کھلاتے چلے جاتے ہیں، لیکن اس کے بالمقابل دوسری سمت سے ایسے غافل ہوتے ہیں جیسے کبھی اس کو دیکھا ہی نہ ہو، حضرت تھانویؒ نے ایک بہت نیک نفس اور بزرگ میاں جی کا واقعہ اپنے ملفوظات میں سنایا ہے کہ وہ اتنے سچے اور بھولے تھے کہ انھیں یہ تصور ہی نہ تھا کہ مسلمان جھوٹ بول سکتا ہے، فرمایا کہ وہ مکتب میں پڑھاتے تھے، کبھی کبھی مکتب کے بچے ان کے آنے سے پہلے درس گاہ کی چٹائیاں اٹھا کر زمین پر پانی کا چھڑکاؤ کردیتے، میاں جی تشریف لاتے، بچوں کو اِدھر اُدھر بکھرا ہوا دیکھتے تو پوچھتے کہ کیا بات ہے، بچے کہتے کہ حضرت بارش ہوئی ہے، تعجب سے فرماتے کہ خدا کی قدرت بھی عجیب ہے، باہر دھوپ نکلی ہوئی ہے اور اندر بارش ہوئی ہے، پھر وہ چھٹی کردیتے، وہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ بچے جھوٹ بولیں گے، اگر ہم نے ''مفتی صاحب'' کو نہ دیکھا ہوتا، تو یہ واقعہ بہت عجیب معلوم ہوتا، مگر ''مفتی صاحب'' کے یہاں اس سے بھی عجیب تر واقعات ہیں، جن کا ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے، فقہ وفتاویٰ اور دوسرے علومِ درسیہ میں نہایت بیدار مغز اور تجربہ کار، مگر دنیوی معاملات میں حد سے زیادہ سادہ اور ناواقف۔

جو کچھ دیکھا ہے، یا اپنے پیش روؤں سے سنا ہے، نہ سب کے لکھنے کا موقع ہے، اور نہ سب کا تحمل ہے، کچھ ایسی چیزیں ہیں، جو نسبۃً کم تعجب خیز ہیں، بطور نمونہ کے تحریر کرنا ضروری ہے، تاکہ نہ جاننے والوں کے سامنے ''مفتی صاحب'' کی زندگی کا یہ سبق آموز پہلو بھی سامنے آجائے، جسے دوسرے تو جو چاہیں کہیں، مگر ہم طالب علموں کے نزدیک ان کی

زندگی کا یہ بڑا تابناک پہلو ہے۔

"حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ" مبارک پور کے باشندے تھے، مگر مدرسہ سے نکلتے اور گھر چلے جاتے، گھر سے نکلتے مدرسہ آجاتے، بس اتنا راستہ تو وہ جانتے تھے، اس کے علاوہ مبارک پور کی گلیوں اور راستوں سے کچھ زیادہ واقفیت نہ تھی، گھر جانے کا راستہ بازار ہو کر جاتا، مگر بازار کے شور و ہنگامے سے بے خبر رہتے۔

ایک بار بجلی غائب ہوئی، غائب ہوتی ہی رہتی تھی "مفتی صاحب" کے پاس موم بتی رہا کرتی تھی، اس دن اتفاق سے نہیں تھی، ایک طالب علم کو پکارا، اسے دس روپئے دیے اور فرمایا کہ ایک موم بتی لاؤ، اگر پیسہ کم پڑ جائے تو اپنے پاس سے لگا لینا، میں بعد میں ادا کر دوں گا، حالانکہ اس وقت بڑی موم بتی چار آنے (۲۵/ پیسے) کی ملا کرتی تھی، طالب علم نے جب پیسے واپس کیے تو بہت خوش ہوئے کہ تم نے پیسے بچا لیے۔

"مفتی صاحب" اپنے ساتھ ایک لمبا سا ہلکا رومال رکھے رہا کرتے تھے، ایک بار گھر سے تشریف لا رہے تھے، ہاتھ میں سن لائٹ صابن کی ایک ٹکیہ لیے ہوئے تھے، ایک طالب علم کو اپنا وہی رومال عطا فرمایا اور صابن کی ٹکیہ حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے دھو دو، اگر صابن گھٹ جائے تو تم اپنے پاس سے لگا دینا، میں دے دوں گا۔

ایک بار خلافِ معمول طلبہ کے حجروں کی طرف "مفتی صاحب" کسی کو تلاش کرتے ہوئے نظر آئے، یہ بالکل نئی بات تھی، ان کی مقرر جگہوں اور متعینہ راستوں کے علاوہ کسی نے مدرسہ میں کہیں اور نہیں دیکھا ہوگا، اس دن خلافِ عادت جو ادھر دیکھا گیا تو بڑی حیرت ہوئی، میں اپنے حجرے سے باہر نکل آیا، دریافت فرمانے لگے، فلاں نو مسلم طالب علم کہاں رہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ دار الاقامہ میں رہتے ہیں، مدرسہ کے احاطہ سے باہر ایک عمارت چند کمروں

پر مشتمل تھی، دارالاقامہ کے نام سے بس وہی عمارت موسوم تھی، اور مدرسہ کا ہر فرد اسے جانتا تھا، مگر "مفتی صاحب" اس سے بے خبر تھے، فرمایا دارالاقامہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مدرسہ کے باہر ہے، حکم دیا مجھے وہاں لے چلو، عرض کیا: میں انہیں بلالاتا ہوں، فرمایا نہیں، مجھے ہی لے چلو، نہ جانے کیا کام تھا، میں انھیں دارالاقامہ لے گیا، تو غالباً پہلی مرتبہ انہوں نے وہ عمارت دیکھی، حالانکہ وہ ایک خاص معاملہ اور نزاع کی وجہ سے خاصی شہرت یافتہ عمارت تھی۔

"مفتی صاحب" پرانے علماء کے طرز پر قلم دان رکھتے تھے، اس میں قلم، دوات، چاقو، روشنائی وغیرہ کا پوانظم تھا، لکڑی کا قلم استعمال فرماتے تھے، بعد میں جب فونٹن پن عام ہوگیا، تو قلم دان میں وہ بھی جگہ پا گیا، ان کے پاس قدیم طرز کا فونٹن پن تھا، جس میں روشنائی بھرنے کے لیے ربڑ کی خول نہ ہوتی، بلکہ قلم کے جوف میں روشنائی بھری جاتی، "مفتی صاحب" کے لیے یہ چیز نئی تھی، قلم میں روشنائی بھرنا ان کے لیے کارِ اہم تھا، عموماً کوئی طالب علم مل جاتا تو اس سے بھروالیتے، میں ایک دن گزر رہا تھا، آواز دے کر پکارا، میں جلدی جلدی اپنے حافظۂ دماغ میں صیغوں کی، تعلیلات کی، قواعد کی گردان کرنے لگا، کہ نہ جانے کیا سوال ہوجائے، مگر انہوں نے آج صیغہ نہیں پوچھا، انہوں نے فرمایا: قلم میں روشنائی بھر سکتے ہو، میں نے اثبات میں جواب دیا، حکم دیا کہ میرے سامنے بھرو، میں نے احتیاط سے روشنائی بھردی، فرمایا تم کو اچھا ڈھنگ ہے، اب تمہیں کو روشنائی بھرنے کے لیے بلاؤں گا، اس کے بعد بار بار یہ سعادت نصیب ہوئی۔

اس زمانہ میں مشہور مورخ مولانا قاضی اطہر صاحب جو "مفتی صاحب" کے تلمیذ رشید ہیں، بمبئی رہتے تھے، ایک بار وہ ایک بیش قیمت اور خوب صورت قلم "مفتی صاحب" کے لیے لائے، جس کا نب پورا قلم کے خول سے ڈھکا ہوا تھا، صرف نب کا وہ حصہ کھلا ہوا تھا، جو لکھنے کے

لیے استعمال ہوتا ہے، "مفتی صاحب" بہت مسرور ہوئے، کسی دن انھوں نے اوپر والی خول کھول دی اور نب کو کچھ ادھر اُدھر کر دیا، اس کے بعد خول اس پر لگا رہے ہیں تو نب کسی اور طرف اور خول کا سرا کسی اور طرف جا رہا ہے، بہت گھبرائے کہ قلم خراب ہو گیا، ہمارے ایک ہم درس مولوی محمد عامر صاحب مرحوم، جن کو "مفتی صاحب" بہت عزیز رکھتے تھے، ان کو بلایا کہ دیکھو جی یہ قلم خراب ہو گیا ہے، قاضی اطہر صاحب نے دیا تھا، ابھی نیا قلم ہے، بگڑ گیا ہے، اب کیا ہو گا؟ عامر مرحوم نے عرض کیا: حضرت بن جائے گا، بہت خوش ہوئے، انھوں نے قلم دیا اور کچھ روپئے دیے کہ بنوالاؤ، پیسہ کم ہو تو اور لگا لینا، میں دے دوں گا، مولوی عامر مرحوم اسے لے آئے، ہم لوگوں کو دکھانے لگے، پھر اسے ٹھیک کر دیا گیا، قلم بہت اچھا تھا، مولوی عامر مرحوم اسے ایک روز اپنے پاس رکھے رہے، پھر دوسرے دن واپس کیا اور روپئے لوٹا دیئے، "مفتی صاحب" بہت مسرور ہوئے، بالخصوص اس پر کہ بنانے والے نے بڑی رعایت کی، پیسے نہیں لیے۔

اس طرح کے متعدد واقعات ذہن میں محفوظ ہیں، جو کچھ لکھا گیا، اس سے بھی عجیب تر! بھولا پن، سادگی اور سادہ لوحی صرف دنیاوی امور میں تھی، فقہ وفتاویٰ کے باب میں ان کی ژرف نگاہی کا تذکرہ انہیں سطور میں گزر چکا ہے۔

"مفتی صاحب" کی ولادت یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو مبارک پور کے ایک محلہ پرانی بستی میں ہوئی، تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں ہوئی، ان کے خصوصی استاذ، مبارک پور کے مشہور ومعروف عالمِ دین حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ) تھے، مبارک پور میں اہلِ حق کے قدم انہیں کی مجاہدانہ کاوشوں سے جمے، مولانا عبد الباری صاحب قاسمی مرحوم جنہوں نے بعد میں ایک طویل عرصے تک مدرسہ کی کامیاب نظامت کی، انہیں مولانا شکر اللہ صاحب کے بھتیجے تھے۔

کچھ دنوں "مفتی صاحب" نے مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں بھی تعلیم حاصل کی ہے، ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے دیوبندی تلامذہ کی آخری کھیپ میں حضرت مفتی صاحب شامل تھے، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب ڈابھیل تشریف لے گئے، فراغت کے بعد دو تین سالوں تک کچھ دوسرے مدرسوں میں پڑھایا، ۱۳۴۹ھ میں اساتذہ نے انھیں جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں بلا لیا، پھر یہیں کے ہو رہے، اسی وقت نکلے جب فرشتۂ موت حاضریٔ آخرت کے بلاوے کے لیے آ گیا۔

"مفتی صاحب" کا وصال ۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ کو ہوا، رات میں وصال ہوا تھا، علی الصباح مدرسہ دینیہ غازی پور، جہاں ان دنوں میرا قیام تھا، خبر پہونچی، علالت کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں، مگر وفات کی خبر سن کر دل پر حسرت والم کے بادل چھا گئے، مبارک پور حاضری ہوئی، جنازہ تیار تھا، سوگواروں کا عظیم مجمع تھا، سب کی زبان پر "مفتی صاحب" کا ذکرِ جمیل تھا، نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری کے پہلو میں دفن کیے گئے، اللہ تعالیٰ ہزاروں رحمتیں ان کی تربت پر نثار کرے۔

غفر اللہ لہٗ ورحمہٗ رحمۃ واسعۃ وادخلہ الجنۃ بفضلہٖ ورحمتہٖ.

(کھوئے ہوؤں کی جستجو)

مفتی محمد یٰسین مبارک پوری

بقلم: مولانا محمد عثمان صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ

عمرہا درکعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا زبزمِ عشق یک دانائے رازآید بروں

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ ابن شیخ عبدالسبحان متوفی محرم ۱۳۶۷ھ محلہ پرانی بستی قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے ایک معزز خاندان کے چشم وچراغ تھے، ۱۳۲۲ھ کے لگ بھگ آپ کی پیدائش ہوئی، چراغ حسن سے سالِ ولادت برآمد کیا جاسکتا ہے، ابتدائی تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی، اس وقت حضرت مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری متوفی ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۱ء احیاء العلوم میں مدرس تھے، جو بہت ہی ذی استعداد عالم تھے، حضرت مفتی صاحب آپ سے بہت مانوس تھے، پھر مولانا علی احمد صاحب احیاء العلوم سے جدا ہوکر مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں مدرس ہوگئے تو مفتی صاحب بھی ناصر العلوم میں چلے گئے اور وہاں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی، مئوناتھ بھنجن میں بھی کچھ دنوں تک رہ کر حضرت مولانا ابوالحسن صاحب مئوی متوفی ۱۳۶۱ھ سے پڑھا، ۶ رشوال ۱۳۴۲ھ کو بغرض تحصیل علم دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تک بڑی محنت وجانفشانی سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، ادب، منطق اور ہیئت وفلسفہ کی متوسطات اور انتہائی کتابیں پڑھ کر ۱۳۴۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، حضرت علامہ شبیر احمد صاحب

عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب متوفی ۱۳۷۴ھ اور حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی متوفی ۱۳۸۷ھ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے نمایاں اساتذہ یہ ہیں: حضرت مولانا محمد محمود صاحب معروفی متوفی ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء، مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری متوفی ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء، مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوری متوفی ۱۳۶۲ھ اور مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری، مئوناتھ بھنجن میں حضرت مولانا ابوالحسن صاحب مئوی رحمۃ اللہ علیہ۔

فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند سے آپ کو درج ذیل سارٹیفکٹ دیا گیا:

نمبر ۱۲۱۶ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سارٹیفکٹ منجانب دارالعلوم دیوبند

"ہم تصدیق کرتے ہیں کہ مولوی محمد یٰسین ولد شیخ عبدالسبحان صاحب ساکن مبارک پور ضلع اعظم گڑھ ۶رشوال المکرم ۱۳۴۲ھ کو بغرض تحصیل علوم عربیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور تقریباً تین سال رہ کر مندرجہ ذیل تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، ادب، منطق، فلسفہ، ہیئت کو نہایت محنت وشوق سے پڑھا، امتحاناتِ سالانہ وغیرہ میں بہت اچھی کامیابی حاصل کرتے رہے، زمانۂ تعلیم میں اساتذۂ کرام واراکین مدرسہ ان سے خوش ورضامند رہے، وہ چال چلن کے نیک، ہونہار و مستعد شخص ہیں، وہ اپنی لیاقتِ علمی اور اخلاقی حیثیت سے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو دارالعلوم کی جانب سے ایک سارٹیفکٹ دیا جائے اور اس میں ظاہر کر دیا جائے کہ جو خدماتِ علمیہ وغیرہ ان کے سپرد کی جائیں گی، وہ ان کو نہایت مستعدی وخوش اسلوبی سے انجام دے کر ہمیشہ نیک نامی حاصل کرتے رہیں گے"۔

محمد طیب غفرلہٗ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۴رجب المرجب ۱۳۴۵ھ

اس سارٹیفکٹ کے علاوہ جو سند فراغ دارالعلوم سے عطا ہوئی، اس کا نمبر ۱۲۸۵/اور تاریخ اجراء ۱۴/ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ ہے، اس سند پر بھی جلی خط میں "قادر علی الافادۃ والاستفادۃ" کی شہادت مرقوم ہے اور کتابوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔ تفسیر بیضاوی، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، طحاوی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، ہدایہ اخیرین، درمختار، توضیح، تلویح، مسلم الثبوت، امور عامہ، دیوان متنبی، حمد اللہ، قاضی، میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ، صدرا، شمس بازغہ، تصریح، شرح چغمینی۔

فراغت کے بعد آپ بحیثیت مدرس چند ماہ کے لیے پٹنہ (بہار) تشریف لے گئے، اس کے بعد موضع ابراہیم پور میں جو مبارک پور سے جانبِ مشرق تین میل کے فاصلہ پر ہے، چند ماہ کے لیے مدرس ہوئے، وہاں فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم تھی۔

۱۳۴۶ھ میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں مدرس منتخب ہوئے اور یہاں مختلف عہدوں پر فائز رہے، شوریٰ کے ممبر، ناظمِ تعلیمات، صدرالمدرسین اور مفتیِ جامعہ۔ ابتدائی کتابوں میں علم الصیغہ بہت عمدہ پڑھاتے تھے، جسے پڑھا دیتے اسے پورے طور پر صیغوں کی شناخت ہوجاتی تھی، آخر میں آپ کے زیرِ درس بخاری شریف جلد ثانی رہتی تھی، بقیہ اوقات میں افتاء کے کام میں مصروف رہتے تھے، فتویٰ نویسی میں ملک کے اندر آپ کو ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا، فتویٰ کی عبارت ایسی آراستہ و پیراستہ اور مہذب ہوتی تھی کہ کہیں ایک لفظ گھٹانے بڑھانے کی گنجائش نہیں، اگر ایک لفظ کہیں سے نکال دیا جائے تو جیسے عمارت کی ایک اینٹ نکل جانے سے پوری عمارت میں تزلزل آجائے، فتویٰ نویسی میں آپ کی ذات ایک سند بن گئی تھی، اور آپ صرف "مفتی صاحب" کے نام سے متعارف و مشہور تھے، دور دراز مقامات سے استفتاء و سوالات کثرت سے آتے رہتے تھے اور شب و روز زبانی

مسائل دریافت کرنے کے لیے قصبہ و بیرونِ قصبہ سے برابر لوگ آتے رہتے اور تشفی بخش جواب حاصل کر کے جاتے۔

آپ کو مسائل کا استحضار تھا، ہر سائل کو زبانی جواب دیتے، مگر سائل کے اطمینانِ قلب کے لیے اسے حوالہ اور کتاب کی عبارت بھی ضرور دکھادیا کرتے تھے، احیاء العلوم میں افتاء کا کام آپ نے ۱۳۵۰ھ سے شروع کیا اور ۱۳۶۰ھ سے باقاعدہ نقولِ فتاویٰ کا رجسٹر رکھا۔

احیاء العلوم کے سابق مہتمم حضرت مولانا شکر اللہ صاحبؒ جب بغرض علاج لکھنؤ میں مقیم تھے تو حضرت مفتی صاحبؒ عیادت کے لیے پہونچے، وہاں مولانا شکر اللہ صاحبؒ نے حسبِ ذیل وصیت فرمائی، جو ماہنامہ الفرقان بریلی، ربیع الاول ۱۳۶۱ھ کے شمارے سے منقول ہے:

"ہمیشہ دینی کام کرنا، تم سے مجھ کو بہت فائدہ پہونچا، خصوصاً فتویٰ میں، مسائل میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ سے ہمیشہ رجوع کرنا اور ان پر اعتماد کرنا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب وحضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہما کو ہمیشہ ایک نظر سے دیکھنا، دونوں ملت کے مسلمہ بزرگ ہیں، میرے دل میں ان دونوں حضرات کی قدر ومنزلت یکساں ہے"۔

قصبہ میں آپ قاضی کی حیثیت رکھتے تھے، نکاح پڑھانا، نمازِ جنازہ اور جمعہ وعیدین کی امامت کی ذمہ داری آپ ہی کے سر تھی، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اطمینانِ قلب کے لیے ایک ایک بات کی تحقیق کئی کئی آدمی سے کرتے، نماز جماعت کے لیے اپنی گھڑی مسجد کی گھڑی سے ملائے رہتے تھے، پھر بھی گاہے گاہے دوسروں سے وقت دریافت کرتے رہتے، آپ کا قیام شب وروز مدرسہ میں رہتا تھا، صرف دو ایک گھنٹہ کے لیے مکان پر چلے جاتے

تھے، طلبہ کی تعلیم وتربیت کا حد درجہ خیال رکھتے تھے، جو طالب علم سامنے آجاتا، پہلے اس سے پوچھتے کہ کیا پڑھتے ہو؟ پھراس کی کتاب کا زبانی سوال اس سے ضرور کرتے، اگر جواب دے دیا تو بہت خوش ہوتے، ورنہ اس کو محنت سے پڑھنے کی ترغیب دیتے، محنتی طلبہ سے بہت خوش رہتے، جو طالب علم نماز جماعت میں حاضر نہ ہوتا اس کو سزا دیتے۔

۱۳۶۵ھ میں حج وزیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، آپ فطرۃً نحیف الجثہ اور کمزور تھے، اکثر بیمار رہا کرتے تھے، لیکن کتب بینی اور مدرسہ کا کام نہیں چھوڑتے تھے، اپنی درس گاہ میں کتابوں کے انبار میں بیٹھے کام کرتے رہتے تھے، اس کے علاوہ دائیں بائیں تپائیوں پر کتابیں لدی رہتی تھیں، مزید برآں چند بڑی بڑی الماریاں کتابوں سے پُر تھیں، جن میں بہت بڑا حصہ آپ کی ذاتی کتابوں کا تھا، یعنی تنہا آپ کا کمرہ ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا، اطراف کے مدارس میں ممتحن اور مقرر کی حیثیت سے بھی بلائے جاتے تھے، آپ کا وعظ نہایت مؤثر اور دل پذیر ہوتا تھا، جہاں جس قسم کا موقع ومحل ہوتا، اسی کے مناسب اور حسبِ حال آپ کی تقریر ہوا کرتی تھی، مزید برآں آپ بہت سی خوبیوں کے مالک، سادگی و جفاکشی کے مظہر اور بلند اخلاقی وانکساری کے پیکر تھے۔

قریب دس ماہ گھر پہ آپ نے علالت کے ایام گزارے، بالآخر شنبہ کی شب میں ساڑھے بارہ بجے ۲۱ر محرم ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر بجلی کی طرح اطراف میں پھیل گئی، بہت سے مدارس بند کردیئے گئے، مئو، کوپا گنج، گھوسی، پورہ معروف، محمد آباد، خیرآباد، ولید پور، بھیرہ، ابراہیم پور، جہانا گنج، بہادر گنج، غازیپور، بنارس وغیرہ دوسرے اضلاع سے بھی آدمی اس کثرت سے مبارک پور میں امنڈ پڑے کہ مجمع پر کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا، غسل کے بعد آپ کی نعش ایک

بار پھر جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے صحن میں لاکر رکھی گئی، جہاں مشتاقانِ دیدار نے آخری دیدار کیا، بیس ہزار کے قریب مجمع تھا، جس میں ہزاروں علماء کرام جمع ہوگئے تھے، بریلوی حضرات کے بعض علماء بھی جیسے مولانا ظفر ادیبی سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نمازِ جنازہ وتدفین میں شریک رہے۔

سمودی عیدگاہ کے سامنے میدان میں تین بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور اپنے استاذِ محترم سابق مہتمم جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مجاہد حریت حضرت مولانا شکراللہ صاحب متوفی ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء کی قبر کے سرہانے دفن کیے گئے۔ ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

آپ کی عمر بیاسی (۸۲) سال کی تھی، چراغ حسن (۱۳۲۲ھ) سے ولادت اور فروغ حسن (۱۴۰۴ھ) سے رحلت کا سال برآمد کیا جاسکتا ہے۔ ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

(ماہنامہ دارالعلوم دسمبر ۱۹۸۳ء)

(وفیات نمبر دارالعلوم دیوبند)

مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری

تحریر: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمی جگدیش پوریؒ

محدث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین بن شیخ عبدالسبحان محلہ پرانی بستی قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

لگ بھگ ۱۳۲۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی "چراغ حسن" سے سن ولادت برآمد ہوتا ہے، ابتدائی تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی، اس وقت ضلع کے مشہور اور نہایت باصلاحیت عالم حضرت مولانا علی احمد صاحب کوئریاپاری وہاں مدرس تھے، مفتی محمد یٰسین صاحب مولانا کوئریاپاری سے بہت مانوس تھے، اس لیے جب وہ احیاء العلوم سے علیٰحدہ ہوکر "ناصر العلوم" گھوسی میں مدرس ہوگئے تو مفتی صاحب بھی مدرسہ ناصر العلوم میں چلے گئے اور پانچ سال مسلسل مولانا علی احمد صاحب کی خدمت میں رہ کر مروّجہ نصاب کی متوسطات تک کتابیں پڑھیں، کچھ دنوں تک حضرت مولانا ابوالحسن عراقی مئوی سے بھی مئوناتھ بھنجن میں پڑھا، پھر آگے کی تعلیم کے لیے شوال ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا، وہاں تین سال تک پوری توجہ و محنت سے انتہائی کتابیں پڑھ کر ۱۳۴۵ھ میں فارغ التحصیل ہوگئے، آپ کے دیوبند کے اساتذہ میں حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، حضرت شیخ الادب

مولانا اعزاز علی صاحب متوفی ۱۳۷۴ھ اور حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی متوفی ۱۳۸۷ھ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے نمایاں اساتذہ یہ ہیں: مولانا محمد محمود صاحب معروفی، مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری، مولانا علی احمد صاحب کوئریاپاری، مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوری۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ کو درج ذیل خصوصی سارٹیفکیٹ دیا گیا:

۱۲۱۶ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سارٹیفکیٹ منجانب دارالعلوم دیوبند

"ہم تصدیق کرتے ہیں کہ مولوی محمد یٰسین ولد شیخ عبدالسبحان صاحب ساکن مبارک پور ضلع اعظم گڑھ ۶؍شوال المکرم ۱۳۴۲ھ کو بغرض تحصیل علومِ عربیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور تقریباً تین سال رہ کر علومِ مندرجہ ذیل:

تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، ہیئت کو نہایت محنت وشوق سے پڑھا، امتحاناتِ سالانہ وغیرہ میں بہت اچھی کامیابی حاصل کرتے رہے، زمانۂ تعلیم میں اساتذۂ کرام وارا کینِ مدرسہ ان سے خوش ورضامند رہے، وہ چال چلن کے نیک، ہونہار ومستعد شخص ہیں، وہ اپنی لیاقتِ علمی واخلاقی حیثیت سے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو دارالعلوم کی جانب سے ایک سارٹیفکیٹ دیا جائے، اور اس میں ظاہر کردیا جائے کہ جو خدماتِ علمیہ وغیرہ ان کے سپرد کی جائے گی وہ ان کو مستعدی وخوش اسلوبی سے انجام دے کر ہمیشہ نیک نامی حاصل کرتے رہیں گے"۔

محمد طیب غفرلہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۴؍رجب المرجب ۱۳۴۵ھ

اس سارٹیفکیٹ کے علاوہ جو مجموعی سند فراغ دارالعلوم سے ملی اس کا نمبر ۱۲۸۵، اور تاریخ اجراء ۱۴؍ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ ہے، اس سند پر بھی جلی خط میں "قادر علی الافادۃ والاستفادۃ" کی شہادت درج ہے، اور کتابوں کی تفصیل جو دارالعلوم میں پڑھیں یہ ہیں:
تفسیر بیضاوی، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، طحاوی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، ہدایہ اخیرین، درمختار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، امور عامہ، دیوان متنبی، حمداللہ، قاضی مبارک، میرزاہد رسالہ مع غلام یحییٰ، صدرا، شمس بازغہ، تصریح، شرح چغمینی۔

فراغت کے بعد درس وتدریس کے مشغلہ کو اختیار کیا اور بحیثیت مدرسِ عربی چند ماہ پٹنہ بہار کے کسی مدرسہ میں درس دیا، اس کے بعد موضع ابراہیم پور میں (جو مبارک پور سے جانبِ مشرق تین میل کے فاصلے پر ہے) بھی چند ماہ کے لیے مدرس ہوئے، یہاں صرف فارسی اور عربی ابتدائی تک ہی تعلیم تھی، پھر یہاں سے ۱۳۴۶ھ میں اپنی مادرِ علمی جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں مدرس منتخب ہوئے، پھر تو ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے احیاء العلوم ہی میں پوری زندگی گزار دی اور ابتدائی کتابوں سے لے کر نصاب کی انتہائی کتابوں تک پڑھایا، آخر میں آپ کے زیرِ درس بخاری شریف جلد ثانی رہتی تھی، بقیہ اوقات افتاء کے کام میں مصروف رہتے تھے۔

احیاء العلوم میں مختلف عہدوں پر فائز رہے، شوریٰ کے ممبر، ناظمِ تعلیمات، صدرالمدرسین اور مفتیِ جامعہ، مفتی صاحب ایک کامیاب مدرس تھے، ان کا درس نہایت مقبول تھا، جس نے بھی ان کے آگے زانوے تلمذ تہہ کیا، وہ ان کے درس کی تعریف میں رطب اللسان ہوگیا، اسی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے مفتی بھی تھے، فتویٰ نویسی میں ان کو اپنے دیار ہی

میں نہیں ، پورے ملک میں اعلیٰ مقام حاصل تھا،فتویٰ کی عبارت ایسی آراستہ وپیراستہ اور مہذب ہوتی کہ کہیں ایک لفظ بھی گھٹانے بڑھانے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی،فتویٰ نویسی میں ان کی ذات سند کی حیثیت رکھتی تھی، دوردراز مقامات سے کثرت سے استفتاء آتے تھے۔

مسائل دریافت کرنے کے لیے قصبہ وبیرونِ قصبہ سے برابر لوگ آتے رہتے، وہ سب کوتشفی بخش جواب دیتے، مسائل کا استحضار تھا،مگر سائل کوزبانی جواب دینے کے ساتھ اطمینانِ قلب کے لیے کتاب کی عبارت اورحوالہ بھی ضرور دکھادیتے،مفتی صاحب نے افتاء کی خدمت ۱۳۵۰ھ سے شروع کردی تھی،لیکن باقاعدہ نقولِ فتاویٰ کے رجسٹر کا اہتمام دس سال بعد ۱۳۶۰ھ سے کیا،اس لیے ان دس سالوں کے فتاوے محفوظ نہیں ہیں،بقیہ سارے فتویٰ کی نقل رجسٹر میں محفوظ ہے،جنہیں اگر مرتب کرکے شائع کیا جائے تو وہ دسیوں جلد پر مشتمل ہوں گے۔

احیاء العلوم کے اس زمانہ کے ناظم حضرت مولانا شکراللہ صاحب اپنی طویل بیماری کے سبب بغرض علاج لکھنؤ میں مقیم تھے تو مفتی صاحب عیادت کے لیے لکھنؤ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت مولانا شکراللہ صاحب رحمہ اللہ نے مفتی صاحب کو جو وصیت فرمائی تھی، ماہنامہ الفرقان بریلی کے شمارہ، ربیع الاول ۱۳۶۱ھ میں شائع ہوئی تھی، جوحسبِ ذیل ہے:

(۱) ہمیشہ دینی کام کرنا (۲) تم سے مجھ کو بہت فائدہ پہونچا،خصوصاً فتویٰ میں، (۳) مسائل میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ سے ہمیشہ رجوع کرنا اوران پر اعتماد کرنا (۴) حضرت مولانا حسین احمد صاحب وحضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہما کو ہمیشہ ایک نظر سے دیکھنا، دونوں ملت کے مسلمہ بزرگ ہیں، میرے دل میں ان دونوں

حضرات کی قدر و منزلت یکساں ہے“۔

اس وصیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے ناظم حضرت مولانا شکر اللہ صاحب کو مفتی صاحب کی علمی استعداد اور طبیعت کی سلامتی پر مکمل اعتماد تھا اور مدرسہ کے لیے ان کے وجود کو ضروری سمجھتے تھے۔

قصبہ مبارک پور میں مفتی صاحب کی ہر دل عزیزی کا یہ عالم تھا کہ ان کی حیثیت وہاں کے گویا قاضی کی ہوگئی تھی، نکاح پڑھانے، نمازِ جنازہ پڑھانے اور جمعہ وعیدین کی امامت کی ذمہ داری انہیں کے سر تھی۔

مفتی صاحب کا اوڑھنا بچھونا بس مدرسہ ہی تھا، شب وروز کے چوبیس گھنٹے مدرسہ ہی میں گزرتے تھے، مشکل ہی سے ایک آدھ گھنٹہ کے لیے گھر جاتے تھے، طلبہ کی تعلیم وتربیت کا حد درجہ خیال رکھتے تھے، جو طالب علم بھی سامنے آجاتا، اس سے یہ ضرور دریافت کرتے کہ کیا پڑھتے ہو؟ کتاب کا نام بتانے پر اس کتاب سے زبانی کوئی سوال کرتے، اگر جواب دے دیتا تو بہت خوش ہوتے، ورنہ پھر اسے محنت سے پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

خود ان کی علمی ریاضت کا یہ حال تھا کہ پیدائشی طور پر نحیف الجثۃ اور کمزور ہونے کے ساتھ بیمار بھی رہتے تھے، اس کے باوجود کتابوں کا مطالعہ پوری تندہی کے ساتھ جاری تھا، اپنی درس گاہ میں کتابوں کے انبار کے درمیان بیٹھے مصروف مطالعہ رہتے، دائیں بائیں تپائیوں پر بھی کتابیں لدی رہتی تھیں، مزید برآں چند بڑی بڑی الماریوں میں بھی کتابیں بھری رہتی تھیں، گویا ان کی درس گاہ کیا تھی، ایک اچھا خاصا کتب خانہ تھا اور مفتی صاحب دنیا ومافیہا سے بے نیاز انہیں کتابوں میں محو رہتے تھے۔

عصر حاضر کے عظیم اسلامی مؤرخ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ، جو مفتی

صاحب کے تلامذہ میں سے تھے، ان کے فضائل وکمالات کا جب تذکرہ کرتے تو پھر ایسا لگتا کہ یہ سلسلہ اب ختم نہیں ہوگا، ان کی طرز تدریس، ان کی علمی بصیرت، مسائل فقہیہ پر ان کی وسعت نظر، ان کی امانت ودیانت، دینی معاملات میں غایت درجہ احتیاط، ان کی شرافت نفس، بایں ہمہ کمالات دنیاوی امور میں ان کی یک گونہ سادہ لوحی، ہر ایک کو اس طرح مزہ لے لے کے بیان کرتے، گویا ان کا اصل موضوع حیاتِ مفتی یٰسین ہی ہے۔

ایک تو پیدائشی طور پر نحیف ونزار تھے ہی، اس پر مستزاد ضعفِ پیری اور مسلسل بیماریوں کا حملہ، جس کی وجہ سے جب بالکل نڈھال ہو گئے تو بسترِ علالت پر پڑ گئے، تقریباً دس ماہ اسی حالت میں گھر پر گزار کر حدیث وفقہ کا یہ مخلص خادم اور اپنی مادرِ علمی کا عاشق زار رات کے ساڑھے بارہ بجے ۲۱رمحرم ۱۴۰۴ھ م ۲۹راکتوبر ۱۹۸۳ء کو ابدی نیند سو گیا۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

(تذکرۂ علماء اعظم گڑھ جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

علم وفضل کا ایک اور آفتاب ڈوب گیا

(مفتی محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

ازقلم: مولانا محمد عمر سیفی الاعظمی ابراہیم پوری رحمۃ اللہ علیہ

مدیر سماوات بنارس

انتیسویں (۲۹) اکتوبر ۱۹۸۳ء کی شب کو عالمِ اسلام کے لیے اگر ایک لیلۃ الحزن کہا جائے تو صدفی صد بجا ہوگا، جب کہ تقریباً ساڑھے بارہ بجے محفلِ قال اللہ وقال الرسول کی ایک شمع فروزاں نے گل ہوکر دور دور تک پھیلی ہوئی اپنی نورانیت کو سمیٹ کر اچانک اندھیرا کردیا، اور عالمِ اسلام کے لیے یہ رات لیلۃ الحزن بن گئی، اس لیے کہ اس شمع سے علومِ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، افتاء وفرائض کی نکلنے والی کرنوں سے اکتسابِ نور حاصل کرنے والے ہزاروں جگمگاتے چراغ نہ صرف ہندوستان کے ہر گوشے میں، بل کہ بیرونی ممالک، خصوصاً سعودیہ عربیہ، کویت، نائجیریا اور افریقہ وغیرہ میں بھی دین وملت اور علم وکمال کے اجالے پھیلانے میں مصروف ہیں۔

مشرقی یوپی کی مشہور ومعروف دینی درس گاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ سے کون پڑھا لکھا مسلمان واقف نہیں ہے، جس کی آغوش میں پل اور بڑھ کر ایسے ایسے علماء، فضلاء، مبلغ، مقرر اور محدث ومورخ نے اپنے کمالات ونا موری کے سکّے اطرافِ عالم میں چلا دیئے ہیں، جن پر نہ صرف مبارک پور یا ضلع اعظم گڑھ، بل کہ پوری دنیائے

اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فخر کرتی رہے گی، جن کے ناموں کی فہرست یا تعارف کا نہ یہاں موقع ہے، نہ گنجائش، ورنہ اصل مضمون کافی طویل ہوجائے گا، ہاں موجودہ ہستیوں میں صرف ایک عظیم ذات کا نام لے لینا یہاں کافی ہوگا، اور وہ نامِ نامی ہے: ماضی کے نعت گو شاعر، حال کے قابلِ فخر مورخ، مصنف، سیرت نگار اور صاحبِ قلم عالم حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری۔

اسی جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی مسندِ دارالافتاء پر ایک عرصۂ دراز سے متمکن اور صدرالمدرسین کی کرسی پر جلوہ گر رہنے والے، سراپا نمونۂ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت الحاج مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ تھے، جنھیں ۲۹؍اکتوبر ۱۹۸۳ء کی شب نے ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا کردیا، اناللہ وانا الیہ راجعون

مفتی صاحب کی نیک نفسی، سنجیدگی، سیدھائی، ان کا علمی تجر، ان کی سادہ لوحی وکسرِ نفسی، آپ کا تصوف اور آپ کی انسانیت نوازی، بلاتفریق مذہب وملت اور بلاامتیاز مسلک وعقیدہ، ضرب المثل اور مرحوم کی ہر دل عزیزی کا طرۂ امتیاز بنی ہوئی تھی، وہ ایک مخصوص اور عظیم مکتبۂ فکر (دیوبند) سے تعلق ضرور رکھتے تھے، مگر انھیں ہر مکتبۂ فکر میں عزت، شہرت اور مقبولیت حاصل تھی، اور اس کی ایک واضح ترین دلیل حضرت کی تجہیز وتدفین میں پائی گئی کہ آپ کے جنازے میں اہلِ حدیث حضرات کی کثیر تعداد کے علاوہ بریلوی مکتبۂ فکر سے گہرا اور شدید تعلق رکھنے والے مسلمان گروہ درگروہ پائے گئے، حتی کہ تدفین میں اہل تشیع حضرات نے بھی دھڑکتے دلوں، نمناک نگاہوں اور لرزتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ شرکت فرمائی۔

تقریباً اسّی (۸۰) سال کی عمر کو پہونچ گئے تھے، مگر پوری محنت ولگن کے ساتھ جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی علمی خدمات انجام دیتے چلے آئے، لگ بھگ ایک سال سے آپ

مسلسل بیمار اور کافی کمزور ہوجانے کے باوجود بھی اپنے فرائض کے اسی طرح پابند تھے، پچھلے چند ماہ سے قوم نے انھیں عزت واحترام کے ساتھ ریٹائرڈ کے طور پر باصرار آرام کرنے پر بڑی مشکل سے تیار کرلیا تھا۔

تصوف میں اتنے برگزیدہ کہ آپ کے مرشد مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ (فتحپوری) نے چند ہی دنوں کے توسل کے بعد غالباً بیس (۲۰) سال قبل مجاز بیعت فرمادیا تھا، عالم شباب سے اب تک انہوں نے زہدوتقویٰ کی یکساں زندگی گزاری، راہ چلتے ہوئے ان کی نگاہیں ہمیشہ اس طرح نیچی رہا کرتی تھیں کہ اگر قریب سے گزرنے والا ان کا اپنا لڑکا بھی بغیر سلام یا مخاطب کیے گزر جاتا تو انھیں احساس تک نہ ہوسکتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا، جلسوں میں ان کی تقریریں دل چسپی اور مدّوجزر سے بالکل الگ تھلگ ہوتی تھیں، اور وہ جو کچھ بولتے تھے وہ صحیح معنوں میں صرف وعظ ہوا کرتا تھا۔

وراثت کے مسائل اور مشکل سے مشکل فرائض یا فتاوے اس قدر مضبوط دلائل وبراہین پر مبنی اور سہل الفہم ہوتے تھے کہ دور دور سے، بل کہ اکثر دارالعلوم دیوبند تک سے ان کی مدد حاصل کی جاتی تھی، دارالعلوم دیوبند سے دارالافتاء کی عظیم ذمہ داریوں کے لیے آپ کو بھرپور خواہشات کے ساتھ چاہا گیا، مگر انھوں نے احیاء العلوم یا اپنے وطن کے مسلمانوں کو چھوڑنا کسی قیمت پر گوارہ نہیں فرمایا۔ ایسا باوقار، باعظمت، سادہ دل، سادہ مزاج، سادہ لوح، عبادت گزار وشب بیدار، زاہد وعابد، باکمال مفتی، تقویٰ شعار، اسلامی کردار کا مکمل پیکر اور اخلاق واسوۂ خاتم النبیین کا صاف وشفاف آئینہ کم سے کم اعظم گڑھ اور اس کے آس پاس دور دور تک کوئی دوسرا سوائے محدث عصر ابوالمآثر حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے نظر نہیں آتا۔

حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص، باعمل اور "ورثۃ الانبیاء" کے مکمل روپ میں جو شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد، عالم اسلام میں بہت دور دور تک پھیل کر ملّتِ اسلامیہ کی خدمت کررہے ہیں، ان کی تعداد ہزاروں تک پہونچ چکی ہے۔

۲۸ راکتوبر کا دن گزار کر جب ۲۹ راکتوبر کی شب آئی تو عالمِ اسلام کے لیے ایک انتہائی الم ناک اور بدنصیب ساعت بھی لے کر آئی اور وہ ساعت تھی بارہ بج کر تیس منٹ، جب کہ مفتی صاحب نے اپنے بھائیوں، بیٹوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور ہزاروں ہزار روحانی اولادوں، نیز لاکھوں عقیدت مندوں سے منہ موڑ کر اپنے حقیقی مالک ومحبوب کی دعوتِ وصال پر لبیک کہہ دیا، ضلع کے خاص خاص مسلم علاقوں میں آفتاب نکلتے نکلتے یہ جانکاہ خبر برقی رو کی طرح پہونچ گئی اور شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے لوگ بھاگم بھاگ قصبہ مبارک پور پہونچنے لگے، مرحوم ومغفور کو ظہر کے وقت، نماز سے قبل غسل کے بعد کفن دے کر کھلے چہرے کے ساتھ زیارت کے لیے رکھ دیا گیا، نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد تابوت اٹھی اور بازار سے گزرتی ہوئی جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے وسیع وعریض صحن میں رکھی گئی، جہاں دیدار کرنے والوں کا ہجوم کلیجے تھامے اشک بار نگاہوں سے قطار اندر قطار اس غم ناک فرض کو ادا کررہا تھا، ڈھائی بجے مائک پر اعلان کے بعد ابدی نیند سونے والے خدا کے اس خاص بندے کو پھر چار کندھوں نے اٹھالیا، مگر ہزاروں ہی کندھے ایسے بھی تھے جو اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے بےچین وبےتاب تھے، اس کوشش میں لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے کہ تابوت کو چھو لینے ہی کی سعادت حاصل ہوجائے، محبت وعقیدت کا یہ ابلتا ہوا سیلاب اپنی موجوں پر مسنون دعاؤں اور کلمات کی لوریاں دیتا، سرکارِ بطحا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لاڈلے نائب کو "سمودی" کے مشہور قبرستان لے گیا، عیدگاہ کے سامنے دور تک پھیلے ہوئے میدان میں

صفیں لگنے لگیں، سوگوار عقیدت مندوں کے موجیں مارتا ہوا بے پناہ سمندر بس دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔

تین بجنے ہی والے ہیں، محی السنہ حضرت مولانا محمد شکر اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مخلص و باایثار جانشین، ناظمِ اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم، فدائے ملت حضرت الحاج مولانا عبدالباری صاحب قاسمی، عیدگاہ کی دیوار پر نظر آئے، مائک اوپر کیا گیا اور موصوف نے آنکھوں میں غم واندوہ کے طوفان لیے، سینے خلش افزا دھڑکنوں کے بیچ خشک ہونٹوں، لرزتی زبان اور کانپتی ہوئی آواز میں صفیں سیدھی کرنے، نظم وضبط قائم رکھنے، سکون واطمینان سے نمازِ جنازہ ادا کرنے اور تدفین کے وقت ہر آدمی کو اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی تکلیف وآرام کا پورا لحاظ رکھنے کی تلقین فرمانے لگے، وقت مقررہ سے ۵ رمنٹ زیادہ ہو گئے، حضرت مفتی صاحب نے جامع مسجد متعلقہ احیاء العلوم کی امامت کے لیے جس متقی نوجوان عالم مولانا محمد صدیق صاحب فاضل دیوبند کو خود مقرر فرمادیا تھا، وہ آگے بڑھے، نمازِ جنازہ ادا کی گئی، جس کے بعد حضرت مفتی صاحب کے جسدِ خاموش کو قبر میں اتارا گیا، تختے لگائے گئے، منہا خلقنا کم کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا یہ آفتاب منوں مٹی کے نیچے قیامت تک کے لیے ڈوب گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اتنا زبردست ہجوم، جس میں ہر مکتبِ فکر کے مسلمان، انتہائی عقیدت کے ساتھ شریک ہوئے ہوں، بل کہ ہندو بھائیوں کو بھی اشک بار دیکھا گیا ہو، آج تک سوائے حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کسی اور کی تجہیز وتکفین میں نظر نہیں آیا تھا، نور اللہ مرقدہٗ۔

(یہ مضمون علامہ سیفی الاعظمی صاحب کی ایک قدیم ڈائری سے نقل کیا گیا ہے)

صاحبِ فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری

نام اور سنِ ولادت

نام:۔ مفتی محمد یٰسین بن عبد السبحان بن شیخ عبد اللہ بن قیام الدین بن لال محمد (۱)۔

ولادت:۔ محلہ پرانی بستی مبارک پور میں بتاریخ یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ (۲)۔

تعلیم و تربیت

مفتی صاحب نے بالکل ابتدائی تعلیم پرانی بستی کے مایۂ ناز عالم مولانا عبد الرحمٰن بن حاجی محمد قاسم صاحبؒ سے حاصل کی، قرآن شریف حکیم مولوی محمد سعید صاحبؒ پورہ صوفی نے پڑھایا، اس کے بعد احیاء العلوم میں داخل ہو گئے، احیاء العلوم میں اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی، احیاء العلوم میں آپ کو درج ذیل مشفق و بلند پایہ اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری (متوفی ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۱ء) مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفیؒ (متوفی ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء) مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ (متوفی ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء)

---

(۱) مفتی صاحب کی ڈائری میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

(۲) یہ دونوں تفصیلات مفتی صاحب کے گھر پر، مفتی صاحب کے ہی قلم سے لکھی ہوئی ملیں۔
تاریخ ولادت عیسوی سن کے اعتبار سے ۱۴/ فروری ۱۹۰۷ء بروز پنجشنبہ ہوتی ہے۔

مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوریؒ (متوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) مولانا ابوالحسن صاحب مئویؒ (متوفی ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء)(۱)

مولانا علی احمد صاحبؒ جب احیاء العلوم سے جدا ہو کر مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں مدرس ہوئے تو مفتی صاحب بھی وہاں پہونچے اور غالباً وہاں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۶؍شوال ۱۳۴۲ھ کو دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں تین سال تک نہایت لگن اور محنت کے ساتھ تحصیل علم کے بعد شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں مفتی صاحب نے جن اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہ کیا تھا، ان میں ہر شخص اپنی جگہ اپنے فن میں امامِ وقت تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طرح کے اساطینِ علم و فضل سے کسبِ فیض کرنے والا خود بھی آگے چل کر بلند پایہ مرتبہ کیوں نہ بنے گا۔

مفتی صاحب کے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ یہ ہیں:

علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ (متوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (متوفی ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء) حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ (متوفی ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء) علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ (متوفی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء)

دارالعلوم دیوبند میں مفتی صاحب نے درج ذیل کتابیں پڑھیں:

تفسیر بیضاوی، دورۂ حدیث شریف کی مکمل کتابیں، ہدایہ اخیرین، درمختار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، امور عامہ، دیوان متنبی، حمد اللہ، قاضی مبارک، رسالہ میر زاہد مع غلام یحییٰ، صدرا، شمس بازغہ، تصریح، شرح چغمینی (۲)۔

(۱) حضرت شاہ وصی اللہ صاحب بھی مفتی صاحب کے احیاء العلوم کے اساتذہ میں ہیں۔
(۲) یہ تفصیلات مفتی صاحب کی سند سے ماخوذ ہیں۔

مفتی صاحب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے آخری شاگردوں میں ہیں، کیوں کہ جس سال مفتی صاحب نے فراغت حاصل کی وہ ۱۳۴۵ھ ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۴۶ھ میں ڈابھیل چلے گئے تھے۔(۱)

مولانا انظر شاہ کشمیری نے "نقشِ دوام" میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے جن خاص اور مشہور شاگردوں کا ذکر کیا ہے، ان میں مفتی صاحب کا بھی نام ہے، دارالعلوم دیوبند میں مفتی صاحب کے ہم سبق مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) اور مولانا اسلام الحق صاحب کوپا گنجیؒ (استاذ دارالعلوم دیوبند) بھی تھے۔

مفتی صاحب کے اساتذہ میں مولانا عبدالباقی صاحب رسول پوریؒ (متوفی ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء) کا بھی نام آتا ہے، مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ مفتی صاحب نے کہاں اور کون سی کتاب مولانا عبدالباقی صاحب سے پڑھی ہے۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مفتی صاحب تدریسی سلسلے میں چند ماہ پنڈ داون خاں (پنجاب) میں رہے، مگر دور دراز علاقہ نیز سفر کی صعوبت کی وجہ سے مبارک پور کے قریب ہی موضع ابراہیم پور میں مدرسی قبول کر لی، پھر محی السنہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم نے ربیع الاول ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں مفتی صاحب کو احیاء العلوم میں مدرسی کے لیے بلا لیا، اس کے بعد تا وفات مفتی صاحب احیاء العلوم سے ہی وابستہ رہے، وہ ابتدائی مدرس سے ترقی کر کے احیاء العلوم کے صدر مدرس بھی ہوئے اور مفتی بھی، ناظمِ تعلیمات بھی ہوئے اور ممبرِ مجلسِ شوریٰ بھی، آخر میں بخاری شریف جلد ثانی کا درس اور فتویٰ نویسی کا کام

(۱) مشاہیر دارالعلوم ص ۹۸۔

مفتی صاحب سے متعلق رہا کرتا تھا۔

مفتی صاحب نے جو کچھ ترقی کی، وہ اپنی صلاحیت واستعدادا ورذاتی محنت کے بعدحضرت مولانا شکراللہ صاحب کی ہی خصوصی توجہات کا نتیجہ تھی، احیاء العلوم میں مدرسی کے لیے مولانا شکراللہ صاحب ہی کی نظر انتخاب مفتی صاحب پر پڑی اور مفتی صاحب کے احیاء العلوم میں مدرس ہوجانے کے بعد تدریسی سلسلے کی ترقی اور منصبِ افتاء پر فائز ہونا، یہ سب مولانا شکراللہ صاحب کی ہی جوہر شناسی اور ہمت افزائی سے ہوا، اور مفتی صاحب تاعمر اس کے معترف بھی رہے۔

مفتی صاحب بحیثیت مفتی

مفتی صاحب جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں ماہِ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں مدرس ہوئے اورنقولِ فتاویٰ کا سلسلہ ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء سے قائم ہوا، ناقل مفتی صاحب ہی تھے اور مولانا شکراللہ صاحب کے فتاویٰ پر تصدیق وتصویب بھی کیا کرتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفتی صاحب احیاء العلوم میں مدرس ہونے کے سوا سال بعد ہی مولانا شکراللہ صاحب کے معاون بن گئے تھے، اس وقت مفتی صاحب کی عمر پچیس (۲۵) سال سے کچھ زائد تھی۔(۱)

لیکن اس وقت تک مفتی صاحب خودفتویٰ نہیں لکھتے تھے، خودفتویٰ غالباً ۲۶/ رجب ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء کے بعد لکھا ہے (کیوں کہ اس تاریخ تک مولانا شکراللہ صاحبؒ کے لکھے ہوئے فتاوے موجود ہیں اوران میں سے بعض پر مفتی صاحب کی تصدیق ہے، تفصیل

(۱) خیال رہے کہ مفتی صاحب کا سن ولادت یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء ہے۔

"احیاء العلوم میں فتویٰ نویسی کی تاریخ" کے ضمن میں موجود ہے)

مفتی صاحب بڑی تحقیق وتدقیق کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے، جزئیات پر کافی عبور تھا، زبانی جواب دے دینے کے بعد فوراً کتاب نکال کر بھی دکھایا کرتے تھے اور ایک پر اکتفاء نہ کرتے، بل کہ کئی کئی کتابیں نکال کر دکھایا کرتے، بلاشبہ فتویٰ نویسی میں مفتی صاحب کو ملک کے اندر ایک امتیازی مقام حاصل تھا، اچھے اچھے مفتیوں کا بے لاگ تعاقب کرتے، جس کتاب کے جس مسئلہ پر اطمینان نہ ہوتا اس پر لفظ "تامل" لکھ دیتے، اسی طرح کسی دوسرے مفتی کے فتوے کو کسی غرض سے اپنے رجسٹر میں درج کرنا ہوتا تو "فیہ تامل واضطراب" جیسے الفاظ لکھ کر اس کے کمزور پہلو کی طرف اشارہ کر دیتے۔

اگر کبھی کسی مسئلہ میں مفتی صاحب اور دیگر مفتیانِ کرام کے جواب میں کوئی ٹکراؤ ہوتا تو فقہ وفتاویٰ میں مفتی صاحب کی دقتِ نظر کے پیشِ نظر عام طور پر مفتی صاحب کے فتوے پر ہی عمل ہوتا۔

مفتی صاحب فتویٰ دینے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، اگر کبھی کسی استفتاء میں شبہ پیدا ہوجاتا تو بار بار تنقیح فرماتے، تاکہ ہر پہلو سامنے آجائے، اس کے بعد جواب دیتے، علمِ فرائض میں خاص طور سے مفتی صاحب کو بے حد درک اور مہارت حاصل تھی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں لکھا گیا کہ ابتداءً احیاء العلوم میں فتویٰ نویسی کا کام زیادہ نہیں تھا، مگر جوں جوں احیاء العلوم کی شہرت بڑھتی گئی، اس کا دائرہ کار وسیع ہوتا گیا، مفتی صاحب کے فتاویٰ کی اہمیت مشہور ہوئی، دارالافتاء کا کام بہت بڑھ گیا، زبانی استفسار نیز تحریری سوال وجواب کا روزانہ سلسلہ رہنے لگا، مقامی سوالات تو آتے ہی، دور دراز مقامات سے بھی بذریعہ ڈاک سوالات آتے اور جوابات روانہ کیے جاتے، اس طرح ۱۳۵۳ھ سے

تاوفات، مفتی صاحب کے علمی نوادرات کا بصورت فتاویٰ ایک عظیم ذخیرہ تیار ہوگیا جو دارالافتاء میں رجسٹروں میں محفوظ ہے، آج انہیں میں سے منتخبات کی اشاعت کا پروگرام ہے، تاکہ ان علمی جواہر پاروں سے ہر شخص فائدہ اٹھاسکے۔

مفتی صاحب کے پاس استفسار مسائل کے لیے آنے والوں میں ہر مسلک وعقیدہ کے لوگ شامل ہوتے، خاص طور سے میراث کے مسائل میں جب تک مفتی صاحب کا جواب سامنے نہ آجاتا، لوگوں کو تسلی نہ ہوتی۔

بہت دنوں تک مفتی صاحب کے منتخب فتاوے ملک کے مؤقر جرائد میں شائع ہوئے، اس طرح ایک وسیع علمی حلقے کو مفتی صاحب کی فقیہانہ صلاحیت کا احساس وادراک ہوا۔

مفتی صاحب مدرسی کے بعد سے تاوفات پچپن (۵۵) سال تک احیاء العلوم سے منسلک رہے، شروع کے سوا سال کو چھوڑ کر تقریباً ۵۴ رسال مفتی صاحب نے افتاء نویسی کی شاندار خدمات انجام دیں اور اس میدان میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے انمٹ نقوش چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

دیگر حالات

مفتی صاحب جس طرح ایک کامیاب مفتی تھے، اسی طرح ایک کامیاب مدرس بھی، مفتی صاحب کے ہزاروں فیض یافتہ ہندو بیرونِ ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، مفتی صاحب طلبہ پر بہت شفقت کرتے تھے، نرمی کے وقت نرمی اور سختی کے وقت سختی کے اصول پر کاربند رہتے تھے، تعلیم وتربیت کے دوران حسبِ ضرورت تنبیہ بھی کیا کرتے، ان سب کا مقصد صرف یہ تھا کہ طلبہ باصلاحیت وذی استعداد نکلیں، گفتار وکردار کے غازی بنیں۔

مفتی صاحب کے چند مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

حضرت مولانا عبدالباری صاحب قاسمی ناظمِ اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، حضرت مولانا قمرالدین صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مظاہری مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوری، حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری، حضرت مولانا شمس الدین صاحب حسینی مبارک پوری، حضرت مولانا عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، حضرت مولانا عبدالستار صاحب قاسمی ناظمِ تعلیمات جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، حضرت مولانا شکراللہ صاحب ولید پوری صدرالمدرسین مرکزی دارالعلوم محمدیہ گھوسی، حضرت مولانا محمد عارف صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم مئو، حضرت مولانا نجم الدین صاحب احیائی۔

احقر کو بھی حضرت مفتی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں میزان الصرف، منشعب اور پنج گنج مفتی صاحب ہی سے پڑھی ہیں، یہ بھی حسنِ اتفاق ہی ہے کہ جب میں ۱۲ رصفر المظفر ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۰ ر دسمبر ۱۹۸۱ء بروز پنجشنبہ احیاء العلوم میں مدرس ہو کر آیا تو مجھے جو درس گاہ ملی وہ مفتی صاحب کی درس گاہ (دارالافتاء) سے بالکل متصل، صرف ایک دیوار کا فاصلہ، اس طرح وقتاً فوقتاً حضرت مفتی صاحب سے استفادہ کا موقع ملتا رہا، میں اپنے مضامین وغیرہ کے حوالجات کے لیے مفتی صاحب سے کتابیں لیتا یا کوئی چیز تلاش کرنی ہوتی تو مفتی صاحب سے دریافت کرتا اور مفتی صاحب میری رہنمائی فرماتے۔

مفتی صاحب کو اگر کہیں جانا ہوتا تو بتا کر جاتے کہ اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ فلاں جگہ گئے ہیں اور اتنی دیر میں آجائیں گے۔

مفتی صاحب وعظ وتقریر کے لیے بھی آس پاس کے جلسوں میں بلائے جاتے،

مفتی صاحب کا وعظ خطابت اور مقررانہ شان وانداز کا نہ ہوتا تھا، بل کہ سادہ الفاظ وانداز میں اصلاحی باتیں لوگوں کے دل ودماغ میں اتار دیتے، جو عام مقرروں کی لچھے دار تقریروں سے زیادہ موثر ہوتیں۔

قرب وجوار کے مدارس میں مفتی صاحب بطور ممتحن بھی جایا کرتے تھے۔

مبارک پور میں مفتی صاحب کی حیثیت قاضی شہر کی تھی، نکاح پڑھانا، نمازِ جمعہ وعیدین اور نمازِ جنازہ کی امامت کرنا مفتی صاحب کے ہی ذمہ تھا۔

۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں مفتی صاحب زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے اور حج کی سعادت حاصل کی۔

مفتی صاحب عزلت گزیں اور خاموش طبیعت انسان تھے، مسجد، مدرسہ اور گھر، انہیں تین محوروں پر ان کی زندگی گردش کرتی رہی، ان کے علاوہ کسی اور سے نہ مطلب نہ واسطہ، وہ اس حدیثِ نبوی کے مصداق تھے:

نعم الرجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفع وان استغنی عنه اغنی نفسه رواه رزین (مشکوٰۃ ج ۱/۳۶)

(وہ فقیہ کتنا اچھا ہے کہ اگر لوگ اس کے ضرورت مند ہوں تو انھیں نفع پہونچائے اور اگر لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو وہ بھی ان سے اپنے کو بے نیاز کرلے)

مفتی صاحب وقت ضائع کرنا بالکل نہ جانتے تھے، ہر وقت مطالعہ کتب میں غرق رہتے، جو بھی ان کے کمرہ کے سامنے سے گزرتا، انھیں مصروف ہی پاتا، جو لوگ فتویٰ پوچھنے آتے، ان کے ضرورت سے زیادہ بیٹھنے پر مفتی صاحب کو سخت کوفت ہوتی، کیوں کہ اس سے ان کے مطالعہ کتب وافتاء کے کام میں خلل پڑتا تھا، چنانچہ مفتی صاحب نے ایسے لوگوں

کے لیے ایک شعر خوشخط لکھوا کر سامنے کی جانب اس طرح ٹانگ رکھا تھا کہ ہر آنے والے کی پہلی نظر اس پر پڑے، شعر یہ تھا:

دیر تک تشریف رکھیے پر کہیں ایسا نہ ہو
آپ کا ہو وقت ضائع اور میرا حرج ہو

یہ شعر اب بھی دارالافتاء میں ٹنگا ہوا ہے اور مفتی صاحب کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

مفتی صاحب فطرۃً نحیف الجثہ دبلے پتلے اور دراز قامت تھے، گھنی داڑھی، چہرہ سنجیدگی ومتانت کا مرقع، ڈھیلا ڈھالا لمبا کرتا، پائجامہ، دو پلی ٹوپی، کندھے پر رومال، یہی مفتی صاحب کا لباس تھا، جمعہ کے روز عام طور پر سیاہ عمامہ، سیاہ عبا اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔

علالت ووفات

آخر عمر میں مفتی صاحب کو ضعف اور اسہال کی شکایت ہوگئی، وفات سے چند ماہ قبل حضرت مفتی صاحب نے آنکھ کا آپریشن کرایا، آپریشن کے لیے مفتی صاحب نے مدرسہ سے رخصت لی، آپریشن کے بعد اسپتال سے گھر چلے گئے اور یہ پروگرام تھا کہ جب آپریشن کے سلسلے کی احتیاطی تدابیر مکمل ہوجائیں گی اور ڈاکٹر سے اجازت مل جائے گی تو پھر مدرسہ آکر اپنے مشاغل میں مصروف ہوجائیں گے، آپریشن کے سلسلے کی احتیاط کا زمانہ تو گزر گیا، مگر افسوس کہ ضعف ونقاہت بڑھتی گئی، پھر مفتی صاحب مدرسہ نہ آسکے، یہاں تک کہ وقت موعود آ گیا اور ۲۲/محرم الحرام(۱) ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹/اکتوبر ۱۹۸۳ء جمعہ وشنبہ کی درمیانی رات میں اس بندۂ خدا نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انتقال کے وقت مفتی صاحب کی عمر اسّی (۷۹) سال تھی، دوسرے دن شنبہ کو

(۱) حضرت مفتی صاحب کے لوحِ مزار پر تاریخ وفات ۲۳/محرم الحرام کندہ ہے، جو غلط ہے۔

سوا تین بجے عیدگاہ کے میدان میں نمازِ جنازہ ہوئی، نمازِ جنازہ مولانا محمد صدیق صاحب امام جامع مسجد نے پڑھائی اور حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ کے مزار کے پاس تدفین عمل میں آئی، اس طرح جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی دو عظیم شخصیتیں یکجا ہوگئیں، نمازِ جنازہ میں تقریباً چھ ہزار افراد نے شرکت کی، جن میں مبارک پور و اطرافِ مبارک پور کے علاوہ دیگر مقامات کے لوگ بھی شامل تھے۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب قاسمی ناظم جامعہ اور مفتی صاحب کے دونوں صاحبزادگان عبدالاول صاحب اور عبدالاعلیٰ صاحب، تینوں حضرات نے قبر میں اتارا، اور علم وعمل کا خزانہ تہِ خاک دفن کر دیا گیا۔

عمرہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مختلف اشخاص وافراد واداروں کی طرف سے تعزیتی جلسے ہوئے، جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں دو تعزیتی جلسے ہوئے، ایک جامعہ کی طرف سے، دوسرا طلبۂ جامعہ کی طرف سے، قرآن خوانی وایصالِ ثواب کا جو سلسلہ رہا وہ الگ۔

مفتی صاحبؒ کے پس ماندگان میں دو لڑکے، پانچ لڑکیاں اور ان کی اولاد ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ احیاء العلوم)

احیاء العلوم میں فتاویٰ نویسی کی تاریخ

مشرقی یوپی میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کو جو مقبولیت اور مرکزیت شروع سے ہی حاصل رہی ہے، اس کا فطری تقاضا تھا کہ عامۃ المسلمین اپنی دینی ضروریات میں جامعہ کی طرف رجوع کریں۔

چوں کہ جامعہ کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمد محمود صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ استفسار مسائل میں اہالیانِ قصبہ مبارک پور واطراف وجوانب زیادہ تر مولانا موصوف کی طرف ہی رجوع ہوتے رہے ہوں گے، لیکن یہ سلسلہ محض زبانی تھا، تحریری سوال وجواب کی صورت نہ تھی، اس لیے مولانا محمد محمود صاحب معروفیؒ کو جامعہ کا پہلا باقاعدہ مفتی تو نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ زبانی طور پر علماء سے استفسار ہر جگہ کا ایک عام معمول ہے، لیکن یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہ احیاء العلوم کی تاریخِ افتاء کا ابتدائی باب ضرور تھا۔

احیاء العلوم کے پہلے مفتی: مولانا شکر اللہ صاحبؒ

احیاء العلوم کے سب سے پہلے باقاعدہ مفتی حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ سابق ناظم جامعہ تھے، ان سے زبانی استفسار تو ہوتا ہی رہتا تھا، تحریری سوال وجواب کا بھی سلسلہ تھا، مگر افسوس کہ بہت دنوں تک نقولِ فتاویٰ کا کوئی نظم نہیں تھا، جس کی وجہ سے مولانا شکر اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ کا پورا ریکارڈ تو درکنار، ایک معتدبہ حصہ بھی محفوظ نہیں، صرف ایک قدیم بوسیدہ رجسٹر ملا ہے، جس میں مولانا شکر اللہ صاحب کے سات فتاوے موجود ہیں۔

بادامی رنگ کے اس بوسیدہ رجسٹر کے شروع کے صفحات غائب ہیں، یہ رجسٹر ص ۵۷ سے شروع ہوکر ص ۱۰۶ پر ختم ہے، اس میں ابتدائی صفحات میں مختلف کتابوں کے مضامین واقتباسات ہیں، پھر ص ۹۷ سے ص ۱۰۴ تک مولانا شکراللہ صاحب کے وہ سات فتاوے درج ہیں، جن کا اوپر ذکر ہوا۔

پہلا فتویٰ طلاق سے متعلق ہے اور اس پر ۱۵ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ کی تاریخ پڑی ہے، تین پر مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کی تصدیق ہے، دو پر مولانا نعمت اللہ صاحبؒ کی تصدیق ہے (ان دو میں ایک، اُن تین میں شامل ہے جو مفتی محمد یٰسین صاحب کی تصدیق کے ہیں) تین بلاتصدیق کے ہیں، آخری فتویٰ (یعنی ساتواں) بھی طلاق سے متعلق ہے اور اس پر ۲۶ / رجب ۱۳۵۲ھ کی تاریخ درج ہے۔

یہ ساتوں فتوے مولانا شکراللہ صاحبؒ کے ہیں، مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کا اس میں کوئی فتویٰ نہیں، البتہ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ان فتاویٰ کے ناقل مفتی صاحب ہی ہیں۔

احیاء العلوم کے دوسرے مفتی: مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ

احیاء العلوم کے دوسرے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ تھے، حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ نویسی کا دور احیاء العلوم کی تاریخ فتاویٰ نویسی کا سب سے روشن اور تابناک دور ہے، مفتی صاحب کے بلند پایہ اور محققانہ فتاویٰ نے احیاء العلوم کے علمی مقام وشہرت کو بامِ عروج تک پہونچادیا۔

مفتی صاحب نے فتاویٰ نویسی کا کام حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ کی سرپرستی میں شروع کیا، انہوں نے ہی مفتی صاحب کواس منصب پر بٹھایا تھا، مفتی صاحب کے تمام

فتاووں پر مولانا شکراللہ صاحب کی تصدیق وتصویب ہوا کرتی تھی، حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ بڑے مزاج شناس اور جوہری تھے، وہ تاڑ لیا کرتے تھے کہ ان کے شاگردوں میں کون کس صلاحیت کا مالک ہے، اس کے ذمہ وہی کام لگاتے اور اس کام میں کامیاب بنانے کے لیے خود بھی اس کی معاونت کرتے، بلاشک وشبہ حضرت مفتی صاحب کو، حضرت مفتی صاحب بنانے میں اصل دخل حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ کی ہی جوہرشناسی اور تعلیم وتربیت کا تھا۔

ابتداءً مفتی صاحب کے فتاویٰ بھی نقل نہیں کیے جاتے تھے، لوگ تحریری سوال لے کر آتے، جواب لکھوا کر چلے جاتے، رجسٹروں میں ان کا اندراج نہیں ہوتا تھا، مفتی صاحب کے فتاویٰ کی نقول کا جو سب سے پہلا رجسٹر بنا، وہ غالباً ۱۳۵۳ھ میں بنا(۱) کیوں کہ جس بوسیدہ رجسٹر کا اوپر ذکر ہوا، اس کے بعد سب سے پرانا رجسٹر ۱۳۵۳ھ کا ہی ہے، اس رجسٹر میں اوپر تو کوئی سن درج نہیں، مگر دو باتوں کی وجہ سے گمان غالب یہی ہے کہ یہی رجسٹر مفتی صاحب کے فتاویٰ کا سب سے پہلا رجسٹر ہے۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس رجسٹر میں نکاح، طلاق، وراثت ہر طرح کے فتاوے موجود ہیں، جب کہ بعد میں مفتی صاحب نے مذکورہ مسائل سے متعلق الگ الگ رجسٹر بنوا لیے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداءً حضرت مفتی صاحب ہر طرح کے مسائل ایک ہی رجسٹر میں درج کرلیا کرتے تھے اور اس طرح کا سب سے پرانا رجسٹر یہی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ابتداءً احیاء العلوم میں فتاویٰ نویسی کا کام بہت زیادہ

---

(۱) نقل فتاویٰ کا یہ رجسٹر عیسوی سن کے اعتبار سے ۱۹۳۴ء کا ہے، اس رجسٹر کے ص ۱۱ پر مفتی صاحب نے ایک استفتاء کے جواب میں عیسوی سن وتاریخ بھی لکھی ہے اور وہ ہے ۲۶/اگست ۱۹۳۴ء۔

نہیں تھا، کبھی کبھار، اکا دکا سوالات آجاتے تھے، چنانچہ مولانا شکر اللہ صاحبؒ کے فتاوے کے جس رجسٹر کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس میں پہلا فتویٰ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ کا ہے اور آخری (ساتواں) ۲۶رر جب ۱۳۵۲ھ کا، گویا لگ بھگ سوا دو سال کے عرصے میں کل سات فتاوے۔

ممکن ہے کہ کچھ فتاوے نقل ہونے سے رہ گئے ہوں، اس لیے یہ تعداد اتنی کم ہے، لیکن مولانا شکر اللہ صاحب کے جس رجسٹر کا تذکرہ چل رہا ہے، اس کے ص ۹۷ پر مولانا شکر اللہ صاحب کے پہلے فتویٰ سے قبل پیشانی پر مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کے قلم سے دو سطر میں یہ عبارت درج ہے:

”استفتاء کے جو جوابات مدرسہ احیاء العلوم سے دیئے گیے اُن کی نقل“

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ سے نقل شروع ہوئی

اس تحریر کے باوجود یہ امکان ضرور ہے کہ کچھ فتاویٰ نقل ہونے سے رہ گئے ہوں، کیوں کہ بسا اوقات مستفتی کی عجلت پسندی کے باعث یا اس فتویٰ کی بہت زیادہ اہمیت نہ سمجھ کر، بلا نقل کیے بھی دے دیا جاتا ہے۔

بہر حال مذکورہ رجسٹر کا آخری فتویٰ ۲۶رر جب ۱۳۵۲ھ کا ہے اور مفتی صاحب کے فتاویٰ کے دستیاب سب سے پرانے رجسٹر میں شروع کے چھ سوال وجواب بلا تاریخ درج ہیں، ساتویں سوال وجواب میں ۲۰رر مضان ۱۳۵۳ھ کی تاریخ لکھی ہوئی ہے، لہٰذا مولانا شکر اللہ صاحب کے رجسٹر اور اس رجسٹر کے مابین صرف تیرہ ماہ کا فاصلہ (جب کہ اس فاصلہ میں چھ فتاویٰ بلا تاریخ موجود ہیں) اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مفتی صاحب کے فتاویٰ کی نقل کا یہی سب سے پہلا رجسٹر ہے اور مفتی صاحب کے نہ نقل ہونے والے فتاویٰ کی

تعداد بہت معمولی ہے، اور نقل کا نظام جاری ہو جانے کے بعد مفتی صاحب کے کچھ فتاوے کا نقل نہ ہونا مستفتی کی عجلت یا کسی اور سبب سے ہی ہو سکتا ہے۔

چوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے بہت سے فتاویٰ نقل نہ ہونے کی وجہ سے محفوظ نہیں رہ سکے، لہٰذا محفوظ نہ رہنے والے فتاویٰ کا اندازہ لگانے کے لیے مذکورہ تفصیلات پیش کی گئیں۔

مفتی صاحبؒ مستقل مفتی تھے، مگر وقتاً فوقتاً دیگر اساتذۂ جامعہ بھی ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، جیسا کہ ان کے رجسٹروں میں اس طرح کے بہت سے فتاویٰ موجود ہیں، اس کے علاوہ بسا اوقات مفتی صاحب نے جامعہ کے باہر اپنے قابلِ اعتماد اشخاص سے بھی مدد لی ہے۔

ابتدائی دور جسٹروں کو چھوڑ کر، کہ ان میں ہر موضوع سے متعلق فتاوے موجود ہیں، مفتی صاحب نے مختلف موضوعات سے متعلق علیٰحدہ علیٰحدہ رجسٹر بنوا لیے تھے اور ان پر با قاعدہ سن درج ہوتا تھا کہ اس میں کس سن سے کس سن تک کے فتاوے موجود ہیں، اس طرح کے مفتی صاحب کے جو رجسٹر دارالافتاء میں ملے ہیں، وہ درج ذیل موضوعات وعناوین پر مشتمل ہیں:

کتاب الطهارة، كتاب الصلاة، كتاب الحظر والاباحة، كتابُ الوقف،
كتابُ النكاح، كتابُ الطلاق، كتابُ الفرائض

(فتاویٰ احیاء العلوم)

فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب نور اللہ مرقدہ

تحریر: مولانا مفتی محمد صادق صاحب قاسمی مبارک پوری

آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے لائق وفائق شاگرد، کاروانِ فقہ وفتاویٰ کے امیر، مخزنِ علم ومعرفت، استاذ العلماء، بہت سی خوبیوں کے مالک، سادگی وجفاکشی کے مظہر اور اخلاقِ فاضلہ، تواضع وانکساری کے پیکر تھے۔

ولادت:

۱۴ر فروری ۱۹۰۷ء بروز پنجشنبہ محلہ پرانی بستی مبارک پور کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔(۱)

سلسلۂ نسب:

مولانا مفتی محمد یٰسین بن عبدالسبحان بن شیخ عبداللہ بن قیام الدین بن لال محمد(۲)

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم پرانی بستی کے ایک ممتاز عالم دین مولانا عبدالرحمٰن بن محمد قاسم سے حاصل کی، قرآن پاک حکیم محمد سعیدؒ پورہ صوفی سے پڑھا، اس کے بعد احیاء العلوم میں داخل ہوگئے، اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم اس میں حاصل کی، اس وقت جامعہ میں حکیم مولانا محمد محمود صاحب معروفیؒ، مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ، مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوریؒ، مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاریؒ اور مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

---

(۱) حاشیہ فتاویٰ احیاء العلوم مبارک پور ص ۴۰۔
(۲) مفتی صاحب کی ڈائری۔

فتح پوریؒ وغیرہم کا فیض جاری تھا، آپ ان حضرات کے فیض سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری سے خاص تعلق رکھتے تھے، اسی تعلق کا اثر تھا کہ جب مولانا کوئریا پاری صاحبؒ نے جامعہ سے جدا ہوکر مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں مسندِ درس سجائی تو آپ بھی ناصر العلوم گھوسی پہونچے اور وہاں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی، کچھ دنوں تک مئو میں رہ کر حضرت مولانا ابوالحسن صاحب مئوی سے تعلیم حاصل کی، پھر ۶؍شوال ۱۳۴۲ھ کو بغرض اعلیٰ تعلیم ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند رونق افروز ہوئے، وہاں تین سال رہ کر بڑی محنت وجانفشانی سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، ادب اور منطق کی متوسطات اور منتہی کتابیں پڑھ کر ۱۳۴۵ھ میں فارغ ہوئے۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند میں ائمہ وقت اور اساطین علم وفضل، امامِ حدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ جامع معقول ومنقول علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ وغیرہم کا فیض جاری تھا(۱)۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی عبدالباقی صاحب رسول پوری کا نام بھی آتا ہے، آپ کے رفقائے درس میں سلطان المناظرین حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحب کوپا گنجیؒ استاذ دارالعلوم دیوبند بھی تھے۔

آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز پٹنہ کے ایک مدرسہ سے کیا، اس کے بعد ابراہیم پور میں (مبارک پور کے پورب ۵؍کلومیٹر کے فاصلے پر) چند ماہ مدرس رہے، وہاں فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم تھی، پھر ۱۹۳۱ء میں محی السنہ حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ کی کوشش سے جامعہ میں مدرس ہوئے اور تاحیات اس سے وابستہ رہے، ابتدائی عربی کے مدرس سے ترقی

(۱) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وفیات نمبر ۱۹۹۶ء ص ۳۰

کر کے صدر مدرس، ناظمِ تعلیمات، رکنِ شوریٰ اور مفتی جامعہ کے منصب پر فائز ہوئے۔

ابتدائی کتابوں میں علم الصیغہ پڑھانے میں کامل مہارت رکھتے تھے، جو آپ سے پڑھتا تھا، اسے صیغوں کی مکمل پہچان ہو جاتی تھی، آخر میں بخاری شریف جلد ثانی آپ کے زیرِ درس تھی۔ طلبہ کی تعلیم وتربیت کا بے حد خیال فرماتے تھے، محنتی طلبہ سے بہت خوش ہوتے تھے۔

خدمتِ افتاء

ابھی مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے سوا سال کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ محی السنہ حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ کے معاون مفتی بنا دیئے گئے، لیکن اس وقت خود فتویٰ نویسی آپ کا معمول نہیں تھا، بل کہ مولانا شکراللہ صاحبؒ کے فتاویٰ پر تصدیق وتصویب کیا کرتے تھے۔

۲۶/رجب المرجب ۱۳۵۲ھ کو آپ نے فتویٰ نویسی شروع کی، اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک بحسن وخوبی یہ خدمت انجام دی۔

آپ بڑی تحقیق وتدقیق کے بعد فتاویٰ ارقام فرماتے تھے، جزئیات پر کافی عبور اور مسائل کا استحضار تھا، مسائل کا زبانی بھی جواب دیتے تھے، مگر سائل کے اطمینان کے لیے کتاب کی عبارت ضرور دکھاتے تھے، فتویٰ نویسی میں ملک میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا، اچھے اچھے اربابِ فتاویٰ کا بے لاگ تعاقب کرتے، فتویٰ کی عبارت ایسی آراستہ، پیراستہ اور مہذب ہوتی تھی کہ ایک لفظ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔(۱)

دور دراز مقامات سے استفتاء وسوالات بکثرت آتے تھے، اس کے علاوہ شب وروز لوگ قصبہ و بیرونِ قصبہ سے آتے تھے، اور تشفی بخش جواب حاصل کر کے خوش وخرم واپس ہوتے تھے، عرصہ دراز تک ملک کے مشہور موقر رسالہ "البلاغ" بمبئی میں آپ کے فتاویٰ شائع ہوتے رہے، جس سے ایک وسیع حلقے کو آپ کی فقیہانہ بصیرت کا احساس ہوا۔

(۱) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وفیات نمبر ص ۳۲

کبھی دوسرے صاحبان افتاء سے اختلاف ہوتا تو دلائل کے اعتبار سے مفتی صاحب کا فتویٰ بھاری ہوتا تھا، فتاویٰ کے رجسٹر میں کئی ایسے مسائل نظر سے گزرے ہیں کہ جن میں دوسرے مفتیانِ کرام سے اختلاف ہوا ہے اور ترجیح وقوت مفتی صاحب کے فتاویٰ کو حاصل ہوئی ہے۔

آپ کا حلیہ:

نحیف الجثہ، دبلے پتلے، دراز قد، گھنی داڑھی، سنجیدگی ومتانت کے مرقع، ڈھیلا ڈھالا لمبا کرتا، دوپلی ٹوپی، کندھے پر رومال، یہ تھی آپ کی ہیئت، جمعہ کے روز عام طور پر سیاہ عمامہ، سیاہ لمبا عبا، اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔

آپ کے دیگر اوصاف:

آپ تنہائی کے خوگر اور خاموش طبیعت انسان تھے، آپ کی زندگی تین محوروں: مسجد، مدرسہ اور گھر پر گھومتی تھی، اس کے علاوہ نہ کسی سے کوئی مطلب نہ کوئی واسطہ، گویا آپ اس حدیث کے مصداق تھے۔ **نعم الرجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفع وان استغنی عنه اغنی نفسه**۔ وہ فقیہ کتنا اچھا ہے کہ اگر لوگ اس کے ضرورت مند ہوں تو وہ انھیں نفع پہونچائے اور اگر لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو وہ بھی ان سے اپنے کو بے نیاز کرلے۔(رواہ رزین)

سادگی، انکساری اور بھولے پن کا پیکر تھے، گویا اس حدیث کے مصداق تھے: **المؤمن غر کریم**۔ مومن بھولا بھالا اور شریف النفس ہوتا ہے۔

آپ کے بھولے پن کے بہت سے واقعات عوام میں لطیفوں کی شکل میں مشہور ہیں۔(۱)

(۱) فتاویٰ احیاء العلوم ص ۷ ۴

آپ ہمہ تن کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہا کرتے تھے، وقت ضائع کرنا نہیں جانتے تھے، گویا وہ اس جملہ پر کاربند تھے کہ "الوقت اثمن من الذہب" وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔

آپ کے ذوقِ مطالعہ اور تقویٰ کے سلسلہ میں مولانا عبدالرب صاحب اعظمی سناتے ہیں کہ ایک روز مغرب کی نماز کے بعد وہ کچھ رفقاء کے ساتھ مفتی صاحب سے ملاقات کے لیے مبارک پور پہونچے، معلوم ہوا کہ وہ گھر پر ہیں، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ مسجد میں مصروفِ مطالعہ ہیں، یہ لوگ حاضر ہو گئے، دیکھا کہ مسجد کے اندرونی حصہ میں گرمی کی وجہ سے کرتا اتارے ہوئے، ایک معمولی چراغ کی روشنی میں کتاب دیکھ رہے ہیں، ان لوگوں نے سلام کیا، وہ چونک کر متوجہ ہوئے، پھر چراغ اٹھایا، اسے ساتھ لے کر گھر کی طرف چلے، انہوں نے چراغ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ میرے گھر کا چراغ ہے، نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو مسجد کا چراغ بجھا کر اپنا چراغ جلا لیتا ہوں اور اس میں مطالعہ کرتا ہوں۔

اللہ اکبر! یہ تھی احتیاط اور یہ تھا تقویٰ، صرف اسی ایک معاملہ میں نہیں، بل کہ زندگی کے ہر معاملہ میں مفتی صاحب اسی اہتمام سے تقویٰ کو کام میں لاتے تھے۔(۱)

آپ کے شاگرد:

آپ سے فیض یاب ہونے والوں کی بڑی تعداد ہے، جن کی فہرست پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا، اس لیے صرف چند نامور شاگردوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ، حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی صدر مفتی دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا عبدالباری صاحب قاسمیؒ، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوریؒ، حضرت مولانا قمرالدین صاحب

(۱) راقم الحروف نے خود سنا ہے۔

استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالمنان صاحبؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اور حضرت مولانا محمد عارف صاحبؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ، حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارن پور وغیرہم۔

بیماری اور وفات:

آخر عمر میں آپ کو اسہال کی شکایت ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے دن بدن کمزوری اور نقاہت بڑھتی رہی، چند ماہ قبل آنکھوں کا آپریشن کرایا تھا، آپریشن کے لیے مدرسہ سے رخصت لی، آپریشن کے بعد بغرض راحت گھر پر قیام کیا تھا، خیال تھا کہ احتیاطی تدابیر مکمل ہوجائیں گی تو آپ مدرسہ تشریف لاکر کارِ افتاء اور درس وتدریس میں مصروف ہوجائیں گے، احتیاطی وقت گزر گیا، مگر ضعف ونقاہت بڑھتی رہی، مدرسہ آنے کے لائق نہیں رہے، آخر بسترِ مرگ پر دراز ہوگئے، زندگی کے صفحات سمیٹ دیئے گئے، ۲۲؍محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹؍اکتوبر ۱۹۸۳ء کی شنبہ کی رات تھی، گھڑی رات کے ساڑھے بارہ بجارہی تھی کہ علم وعمل کا یہ آفتاب اپنی آخری منزل پر پہونچ کر اپنی شعاعوں کو گل کرگیا، جس کے انوار وبرکات سے دنیا نصف صدی سے زائد عرصہ تک منور وفیض یاب ہوتی رہی اور جس کی رحلت سے مجلسِ فقہ وفتاویٰ سونی پڑ گئی۔

بہرحال آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر بجلی کی طرح اطراف میں پھیل گئی، بہت سے مدارس پر رنج وغم کے بادل چھاگئے، پھر کیا تھا! محبین، مستفیدین، اربابِ مدارس اور طلبۂ عزیز کا کارواں مبارک پور کے گلی کوچوں میں نظر آنے لگا۔

نمازِ جنازہ اور تدفین:

دوسرے دن غسل وکفن کے بعد آپ کی نعش جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے وسیع صحن

میں آخری دیدار کے لیے لائی گئی، شائقین دیدار پہلے سے بے تاب کھڑے تھے، تقریباً ۲۰؍ہزار کا مجمع تھا، اس میں ہزاروں علمائے کرام تھے یہاں تک کہ بریلوی مکتبِ فکر کے بعض علماء جیسے مولانا مظفرحسن (ظفرادیبی) سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پورنماز جنازہ میں شریک تھے۔(۱)

سمودی عیدگاہ کے سامنے تین بجے حضرت مولانا صدیق احمدصاحب امام جمعہ جامع مسجد کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اورمجاہدحریت حضرت مولانا شکراللہ صاحب مبارک پوریؒ کے قریب تدفین عمل میں آئی، قبر میں اتارنے کی سعادت جامعہ کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا عبدالباری صاحب قاسمیؒ اورآپ کے دونوں صاحبزادگان جناب عبدالاول اور عبدالاعلیٰ کے حصہ میں آئی۔

اللہ تعالیٰ امت کے اس خادم، فقیہ عصر کے مراتب کو بلندفرمائے۔آمین

مٹی میں کیا سمجھ کے دباتے ہو دوستو!
گنجینۂ علوم ہے یہ گنجِ زر نہیں

اولاد:

آپ کے دولڑکے: عبدالاول اورعبدالاعلیٰ ہیں۔

عبدالاول: ۹؍ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ یومِ سہ شنبہ ۶؍بجے صبح پیدا ہوئے، نیک صالح تھے، ۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۴؍مئی ۲۰۰۲ء میں وفات ہوئی۔

عبدالاعلیٰ: ۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ بروز یکشنبہ ۱۰؍بجے پیدا ہوئے، نیک صالح ہیں، صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

(اکابراحیاءالعلوم)

---

(۱) فتاویٰ احیاءالعلوم مبارک پورص ۴۸

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری

از قلم: مولانا مفتی محمد یاسر صاحب قاسمی مبارک پوری
ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور

ولادت:

میدانِ فقہ وفتاویٰ کے امام، مسندِ افتاء کو زینت بخشنے والے، صحیح بخاری شریف کے کام یاب مدرس، امانت و دیانت کے پیکر، تواضع وانکساری سے آراستہ، زہد وقناعت کے خوگر، شریف النفس، کرم گستر، وفا شعار، پاک باز، پاک طینت، حلیم و بردبار، محی السنہ، قامع البدعۃ، معاملہ فہم، راست باز، مبارک پور کے ہر دل عزیز، مبارک پور کے امام جمعہ وعیدین، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین بن شیخ عبد السبحان بن شیخ عبد اللہ بن قیام الدین بن لال محمد کی ولادت باسعادت مردم خیز زمین مبارک پور کے محلہ پرانی بستی میں ایک شریف خانوادہ میں بتاریخ یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت

مفتی صاحب کے والدین نے بچپن ہی سے مفتی صاحب کی دینی وعلمی تربیت پر خصوصی توجہ دی، چناں چہ آپ نے ابتدائی تعلیم محلہ پرانی بستی کے مایۂ ناز عالم دین حضرت مولانا عبد الرحمٰن بن حاجی محمد قاسم صاحب سے حاصل کی، قرآن شریف حکیم مولوی محمد سعید صاحب ساکن پورہ صوفی سے پڑھا، اس کے بعد علم وعمل کی مشہور درس گاہ مشرقی یوپی کے عظیم مدرسہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک میں داخل ہوئے، جہاں علمائے ربانیین کی ایک

جماعت تشنگانِ علومِ دینیہ کو شب و روز سیراب کرنے میں لگی ہوئی تھی، آپ نے اس علمی چشمہ سے اپنے قلب وجگر کو معمور کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ اپنے علمی ذوق وشوق کے نتیجہ میں باکمال اساتذہ کے منظورِ نظر بن گئے۔

حضرات اساتذہ کرام کی توجہ اور عنایت ہی کسی طالب علم کو اوج ثریا پر پہونچاتی ہے، اس لیے کہ اساتذہ ہی طلبہ کے علمی وعملی پیشوا ہوتے ہیں، طالبِ علم اساتذہ ہی کے سایہ میں پلتا اور پروان چڑھتا ہے، انہیں کی صنعت گری سے طالب علم تہذیب وتمدن سے آشنا ہوتا ہے، انہیں کے علوم ومعارف کو کشید کر کے طالب علم کچھ لکھنے بولنے اور سمجھنے کا اہل ہوتا ہے، کثرتِ شیوخ اور کثرتِ اساتذہ طلبہ کے علمی رسوخ میں وہ جلا پیدا کرتی ہے، جس کا تصور ہزاروں صفحات کے مطالعہ سے نہیں کیا جا سکتا ہے، چناں چہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں:

فعلی قدر کثرة الشیوخ یکون حصول الملکات ورسوخها۔

(مقدمہ ابن خلدون ۴/۱۱۴۵)

اساتذہ کی کثرت کے بقدر (طالب علم) کو ملکات کا حصول اور رسوخ نصیب ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب بھی خوش نصیب اور سعادت مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو باکمال اور ماہر اساتذہ کی ایک جماعت سے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔

چناں چہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں عظیم محدث حضرت مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری متوفیٰ ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۱ء، مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفی متوفیٰ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، محی السنہ قامع البدعۃ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری متوفیٰ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء، مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوری متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء، مولانا ابوالحسن صاحب مئوی متوفیٰ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء، پیرِ شریعت وطریقت مصلح الامت حضرت

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری سے آپ نے خوب استفادہ کیا، اور اپنے دامنِ علم کو مالا مال کیا، دیارِ مشرق کے مشہور محدث حضرت مولانا علی احمد صاحب کوئر یا پاریؒ سے حضرت مفتی صاحب کو خاص لگاؤ تھا، چناں چہ جب وہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور سے علیحدہ ہو کر مدرسہ ناصر العلوم گھوسی چلے گئے تو مفتی صاحب نے بھی گھوسی کا قصد کیا اور مولانا کوئر یا پاری کی آغوشِ تربیت میں غالباً پانچ سال تحصیل علم میں لگے رہے، کچھ ایام کے لیے مئو میں بھی قیام فرمایا، اور حضرت مولانا ابوالحسن مئوی سے استفادہ کیا، اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے لیے ۶ ؍شوال ۱۳۴۲ھ کو رخت سفر باندھا، جہاں خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء اور دیگر اکابرین کی مسند درس آراستہ تھی، تشنگانِ علوم دینیہ اقصائے عالم سے علمی پیاس بجھانے کے لیے سرزمین دیوبند کی طرف رواں دواں تھے اور حضرت مفتی صاحب نے بھی اس علمی فضا کو غنیمت جانا اور علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اور اساتذۂ کرام کی صحبت اور مزاولت سے علوم دینیہ میں مہارت تامہ حاصل کی، تین سال تک پورے انہماک اور شوق کے ساتھ لگے رہے، اور شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ میں تقریباً بیس سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحب کے اساتذۂ کرام:

از ہر ہند دارالعلوم دیوبند گو ہمیشہ ہی با کمال اور علوم وفنون کے ائمہ سے آباد و شاداب رہا ہے، مگر جن ایام میں حضرت مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند میں علم حاصل کر رہے تھے، اس وقت اربابِ علم وفن کا وہ طبقہ مسندِ درس پر متمکن تھا، جن کا علمی تعمق اور دینی بصیرت بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہے، چناں چہ آپ کے اساتذہ میں خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، مفسر قرآن اور شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ متوفی ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء، علامہ محمد ابراہیم

بلیاویؒ متوفی ۷ ۸ ۳ ۱ھ مطابق ۷ ۱۹۶ء بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم میں پڑھی ہوئی کتابیں درج ذیل ہیں:

تفسیر بیضاوی، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، طحاوی شریف، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، ہدایہ اخیرین، درمختار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، امور عامہ، دیوانِ متنبی، حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد، مع غلام یحییٰ، صدرا، شمس بازغہ، تصریح، شرح چغمینی۔

دارالعلوم دیوبند نے آپ کے کامیاب اور باتوفیق تعلیمی کردار کو سراہتے ہوئے آپ کے لیے درج ذیل تصدیق نامہ تفویض کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سارٹیفکٹ منجانب دارالعلوم دیوبند

ہم تصدیق کرتے ہیں کہ مولوی محمد یٰسین ولد شیخ عبدالسجان صاحب ساکن مبارک پور ضلع اعظم گڑھ ۶ رشوال المکرم ۲ ۴ ۳ ۱ھ کو بغرضِ تحصیلِ علوم عربیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور تقریباً تین سال رہ کر علوم مندرجہ ذیل: تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، ہیئت کو نہایت محنت وشوق سے پڑھا، امتحانات سالانہ وغیرہ میں بہت اچھی کامیابی حاصل کرتے رہے، زمانۂ تعلیم میں اساتذۂ کرام وارا کینِ مدرسہ ان سے خوش ورضامند رہے، وہ چال چلن کے نیک، ہونہار ومستعد شخص ہیں، وہ اپنی لیاقت علمی واخلاقی حیثیت سے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو دارالعلوم کی جانب سے ایک سارٹیفکٹ دیا جائے، اور اس میں ظاہر کر دیا جائے کہ جو خدماتِ علمیہ وغیرہ ان کے سپرد کی جائیں گی، وہ ان کو مستعدی وخوش اسلوبی سے انجام دے کر ہمیشہ نیک نامی حاصل کرتے رہیں گے۔

محمد طیب غفرلہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۴ ررجب المرجب ۵ ۴ ۳ ۱ھ

اس سارٹیفکٹ کے علاوہ وہ عمومی سند فراغ جو دارالعلوم دیوبند سے ملی، اس کا نمبر (۱۲۸۵)اور تاریخ اجرا ۱۴؍ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ ہے، اس سند پر بھی جلی قلم میں ''قادر علی الافادۃ والاستفادۃ'' کی شہادت درج ہے۔

یوں تو دارالعلوم دیوبند میں دورانِ قیام مفتی صاحب نے اپنے تمام ہی اساتذہ سے استفادہ کیا، مگر نسبتاً دو اساتذہ کرام سے آپ کو تعلقِ خاطر تھا، ان میں سے ایک علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور دوسرے علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں بزرگوں کے یہاں آپ کی آمد ورفت نسبتاً زیادہ رہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ علامہ [انور شاہ کشمیری] کے خصوصی فیض یافتہ تلامذہ کی فہرست میں حضرت مفتی صاحب کے نام کو بھی جگہ ملی، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اپنے اقرباء وبچوں سے ملاقات کے لیے مبارک پور تشریف لاتے تو اپنے لائق وفائق شاگرد سے ملاقات کے لیے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور تشریف لاتے، اور سیدھے دارالافتاء پہونچ کر مفتی صاحب سے ملاقات کرتے اور بڑی محبت کا برتاؤ کرتے، آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالباقی صاحب رسول پوریؒ کا نام بھی آتا ہے، مناظر اسلام حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحب کوپا گنجیؒ استاذ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم دیوبند میں آپ کے ہم سبق رہے۔

درس وتدریس

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

فراغت کے بعد کچھ دن تدریسی سلسلہ میں (بروایت مولانا محمد عمر صاحب) پنڈ دادن خاں پنجاب میں رہے، مگر دور دراز مسافت اور صعوبتِ سفر ناقابلِ برداشت تھی،

اس لیے گھر سے قریب ابراہیم پور میں مدرسی قبول کر لی، اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مادرِ علمی جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں ۱۳۷۹ھ میں بمشاہرۂ پندرہ روپیہ تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور محی السنہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری جیسے مشفق اور مربی نگراں کی توجہ سے علمی حلقوں میں اس اونچے مقام کو پہونچ گئے۔

(حامی دین متین از مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارک پوری)

آپ پوری امانت ودیانت کے ساتھ دنیا کی طرف نگاہ اٹھانے کے بجائے تاحیات جامعہ عربیہ احیاء العلوم سے وابستہ رہے، اور ابتدائی عربی کے مدرس سے ترقی کر کے صدر مدرس، ناظمِ تعلیمات، رکنِ شوریٰ اور مفتی جامعہ کے منصب پر فائز رہے۔

مفتی صاحب کثیر المطالعہ اور وسیع النظر عالم ومفتی تھے، جس کی بنا پر آپ کے فتاویٰ کو جس طرح قبولِ عام نصیب ہوا، آپ کا درس بھی طلبہ کے یہاں مقبول رہا، اور آپ کو بھی طلبہ سے خصوصی لگاؤ رہتا، ان کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتطہیر پر مکمل توجہ دیتے، وضع قطع، اور نماز پر بہت توجہ دیتے، راہ چلتے اگر کسی طالب علم سے ملاقات ہوجاتی، تو اس سے کوئی سوال ضرور پوچھتے، اور تدریس کے دوران طلبہ کی لیاقت وصلاحیت اور ان کے معیار کے مطابق درس دیتے، جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے صدر مفتی حضرت الاستاذ مفتی محمد امین صاحب دامت برکاتہم سے احقر نے فرماتے ہوئے سنا کہ جب قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ مفتی صاحب کے یہاں شرح وقایہ پڑھتے تو سبق کا انداز نرالا اور قدیم ہوتا، صورت یہ ہوتی تھی کہ قاضی صاحب پڑھتے جاتے اور جہاں سمجھ میں نہ آتا، رک کر استفسار کرتے تو حضرت مفتی صاحب اس عبارت پر سیر حاصل بحث کرتے، اس طرح ایک نشست میں بائیس بائیس صفحہ کتاب ہوجاتی۔

الغرض مفتی صاحب صاحبِ افتاء ہونے کے ساتھ باکمال اور کامیاب مدرس بھی رہے۔

ابھی جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے سوا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ کو محی السنہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری کا معین مفتی بنا دیا گیا، لیکن فتاویٰ نویسی آپ کا مشغلہ نہ تھا، بلکہ حضرت محی السنہ کے فتاویٰ کی تصویب وتصدیق کرتے تھے۔

۲۶؍رجب المرجب ۱۳۵۲ھ کو فتویٰ نویسی کی مستقل ذمہ داری آپ کو تفویض کی گئی اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک بحسن وخوبی آپ اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔

آپ کے فتاویٰ اس قدر محقق ہوتے تھے کہ کسی کو حرف رکھنے کی گنجائش نہ ملتی، اور آپ کی تحقیق سے مستفتی کو اطمینان ہو جاتا تھا، حوالوں کی تخریج کا اہتمام فرماتے، ضرورت پڑنے پر زبانی بھی جواب دیتے، بڑے بڑے اربابِ افتاء آپ کے فتویٰ کو سند کی حیثیت دیتے، اور پورے ہندوستان میں آپ کے فتویٰ کو اعتبار حاصل تھا، اور مختلف مسائل میں مفتیانِ کرام نے آپ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اپنی آراء سے رجوع کیا، آپ سے مراجعت کرنے والوں میں اپنوں کے ساتھ غیر مشرب بھی شامل تھے، اور اپنے دارالافتاء سے زیادہ آپ کے فتوؤں کو اہمیت دیتے، بالخصوص میراث کے مسائل میں جب تک مفتی صاحب کا جواب نہ آتا، لوگوں کو تسلی نہ ہوتی، مفتی صاحب فتویٰ دینے میں بہت احتیاط فرماتے، جب تک سوال منقح نہ ہو جاتا، بار بار تنقیح فرماتے اور تنقیح کے بعد ہی جواب دیتے اگر کسی کتاب کے کسی مسئلہ پر اطمینان نہ ہوتا تو اس پر لفظ ''تأمل'' لکھ دیتے، اور کسی دوسرے مفتی کے فتوے کو اگر کسی غرض سے رجسٹر میں درج کرنا ہوتا تو ''فیہ تأمل واضطراب'' جیسے الفاظ لکھ کر اس کے کمزور پہلو کی طرف اشارہ کرتے، مفتی صاحب کے انمول فتاویٰ کا عظیم ذخیرہ رجسٹر میں موجود ہے، جن میں سے منتخب فتاویٰ ماہ نامہ البلاغ بمبئی میں قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی کوشش سے شائع ہوتے رہے، کاش ان فتاویٰ کی ترتیب کا کام مکمل ہو جائے تو اس

سے ہر شخص کے لیے استفادہ میسر آجائے۔

خلاصہ یہ کہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں آپ کا دورِ افتاء احیاء العلوم کے ادوارِ فتویٰ نویسی میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے ذریعہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک احیاء العلوم کی مسندِ افتاء سے لوگوں کی دینی مسائل میں کامل راہ نمائی ملتی رہی۔

مفتی صاحب کا حلیہ

مفتی صاحب فطرۃً نحیف الجثہ، دبلے پتلے، اور دراز قد تھے، گھنی داڑھی، چہرہ سنجیدگی ومتانت کا مرقع، ڈھیلا ڈھالا لمبا کرتا، پائجامہ، دوپلی ٹوپی، کندھے پر رومال، یہی مفتی صاحب کا لباس تھا، جمعہ کے روز عام طور پر سیاہ عمامہ، سیاہ عبا، اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ (فتاویٰ احیاء العلوم ص ۴۷)

بیعت واسترشاد

احسان وسلوک کی منازل طے کرنے کے لیے اولیاء کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا اور اپنے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات پر ڈال دینا ایک مومن کی معراج ہے، اکابر علمائے دیوبند بھی کسی نہ کسی سلسلہ سے وابستہ رہے۔

چناں چہ مفتی صاحب بھی کسی صاحب نسبت بزرگ سے ضرور وابستہ رہے ہوں گے، مگر افسوس کہ متواتر طریقہ سے اس کا علم بندہ کو نہیں ہوسکا، تاہم جب حضرت مفتی صاحب کے دولت کدہ پر بندہ نے حاضری دی، اور حضرت کے برخوردار حاجی عبد الاعلیٰ صاحب سے اس بابت دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ میری والدہ ماجدہ فرمایا کرتی تھیں کہ مفتی صاحب حضرت شاہ وصی اللہ صاحب سے بیعت تھے، اور اصلاح وتربیت کے لیے کبھی کبھی ان کے پاس جاتے، اور شب گزار کر واپس ہوجاتے تو میرے لیے تصدیق کے

علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، مگر مفتی صاحب چوں کہ تواضع وانکساری کے پیکر تھے، اپنے احوال کا بہت اخفاء فرماتے تھے، اس لیے بعد کے لوگ اس بات کو نہ جان سکے، اور نہ ہی بیعت و استرشاد کو مبارک پور میں قبول عام ہی نصیب ہوا۔

دینی سرگرمیاں:

مبارک پور میں مفتی صاحب کی ذات مرجع الخلائق تھی، آپ بھی لوگوں تک دین کی سچی بات پہونچانے میں کبھی گریزاں نہ رہے، آپ کے علم وفضل، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، تواضع وانکساری نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، آپ کبھی کبھار مجمع عام سے بھی خطاب فرماتے تھے، آس پاس کے جلسوں میں بھی شرکت کرتے، مگر آپ کا بیان بے تکلف، سادہ، مختصر اور دل نشیں ہوتا، جو سن لیتا اس پر عمل کی کوشش کرتا، جمعہ اور عیدین کی باضابطہ امامت فرماتے، نکاح بھی پڑھاتے، اور موقع در موقع جمعہ کے بعد جامع مسجد میں لوگوں کو دین کی کچھ باتیں بھی بتادیتے۔

حتی المقدور مسلکی اور اختلافی تقاریر سے گریز کرتے، جس کے اپنے تو اپنے غیر بھی معترف رہے ہیں، چناں چہ پرانی بستی کے کچھ بدعتیوں کی طرف سے مولانا ظفر ادیبی کے خلاف ایک پمفلٹ شائع ہوا، جس کا عنوان تھا: "ظفر ادیبی کا تعارف" اس پمفلٹ میں مولانا ظفر ادیبی صاحب کے مفتی یٰسین صاحب کی نماز جنازہ پڑھنے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ تحریر کیا گیا تھا کہ چھ مہینہ تک حافظ ملت کے خلاف تقریریں کی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر مفتی صاحب باطل کے خلاف دودھاری تلوار بن جاتے، ورنہ تو عام احوال میں آپ نرم خو اور منجا مرنج انسان تھے، مفتی صاحب کو تصلب فی الدین کا بھی وافر حصہ نصیب ہوا تھا، چناں چہ اپنے مسلک کے اظہار اور برتری میں کوئی

لچک محسوس نہ کرتے، اورا کابر علمائے دیوبند سے تعلق خاطر کو برملا بیان کرتے۔

حضرت مفتی صاحب کے دست اقدس پر تین مردوں کو دولت اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی تھی۔

اگر کوئی پریشان حال تعویذ کے لیے حاضر ہوتا تو برضاورغبت بلا معاوضہ اس کو تعویذ لکھ کر دے دیتے اور لوگوں کو شفاء حاصل ہو جاتی، تلاوت کا بڑا اہتمام فرماتے، یہی وجہ ہے کہ کثرت تلاوت کے نتیجہ میں قرآن شریف کا اس قدر استحضار تھا کہ تراویح میں جب کوئی حافظ بھول جاتا تو اس کو صحیح لقمہ دیتے۔

دیگر احوال

مفتی صاحب پڑوسیوں کا بڑا خیال فرماتے، پڑوسی بھی بلا تفریق مذہب وملت آپ سے محبت فرماتے، آپ سے محبت کرنے والے بڑے بوڑھے بچے سب ہوتے، جیسے آپ مدرسہ سے گھر پہونچتے، چھوٹے چھوٹے بچے آپ کو گھیر لیتے، اور بڑی محبت سے سلام کرتے، آپ بھی محبت سے جواب دیتے ہوئے ان کے پاس سے گزر جاتے، اور بڑے بوڑھے از راہ ادب ایک طرف کو ہو جاتے، اگر کسی کے یہاں میت ہو جاتی تو لوگوں کے ساتھ ان کے غم میں شریک ہوتے، اور ان کے ساتھ بیٹھتے، اور تدفین کے بعد میت کے اہل خانہ کو تعزیت پیش کرتے، آپ کی یہ تعزیت بس پانچ منٹ پر مشتمل ہوتی، مگر بڑی موثر ہوتی، مفتی صاحب تدفین میں بہت جلدی کرتے، اور آج بھی مفتی صاحب کے خاندان میں اس کا اہتمام ہے۔

سنت کا اہتمام

مفتی صاحب کے یہاں سنت کی بڑی اہمیت تھی، آپ کا ہر معمول سنت کے مطابق

ہوتا، اپنا کام خود سے کرتے، کسی سے خدمت لینے کو بالکل پسند نہ فرماتے، خواہ طلبۂ مدرسہ ہوں یا اہلِ خانہ، انتقال سے ایک روز پہلے آپ کے صاحب زادوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ ایک ایک کر کے میرے سر پر تیل لگا دو، سر دبانے کی اجازت نہیں دی، پوری زندگی مٹی کے برتن میں کھانے کا معمول رہا، کلونجی، مسواک، سرمہ تیل کا بڑا اہتمام کرتے، کبھی بدزبانی نہ کرتے، مغلوب الغضب نہ ہوتے، پیدل چلنے کو ترجیح دیتے، حتیٰ کہ گھوسی زمانۂ طالب علمی میں پیدل آنے جانے کا معمول رہا، اور ایک بار تو حکیم عبد الباری صاحب کی معیت میں گھوسی سے امتحان لے کر مبارک پور پیدل تشریف لائے، اندرونِ خانہ بڑے رحم دل اور شفیق تھے، اہل خانہ بھی آپ کا خوب خیال رکھتے تھے۔

۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں مفتی صاحب زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے، اور حج کی سعادت حاصل کی۔

کتابوں سے عشق

علم استراحت کے ساتھ نہیں آتا، بلکہ لیل ونہار کی گردشیں جب کتابوں میں سمٹ جائیں تو کوئی دیدہ ور پیدا ہوتا ہے، مفتی صاحب کو تو طالب علمی کے دور سے کتب بینی اور کثرت مطالعہ سے ہم آہنگی اور آشنائی حاصل ہو چکی تھی، جو وقت گزرتے بڑھتی رہی، اس میں کبھی فرق نہیں آیا، مسجد، مدرسہ، اور گھر یہی تین محور تھا، جس کے اردگرد آپ کی زندگی گھومتی تھی، نہ کسی سے زیادہ رسم وراہ، نہ سروکار، بس اپنے کام سے کام، مسجد میں ہوں تو کتابوں میں مستغرق، مدرسہ میں ہوں تو کتابوں کی ہم نشینی اور گھر پر تھوڑی دیر کے لیے آئیں تو بھی کتابوں کے ساتھ، یہی وجہ ہے کہ بلا وجہ کی مجلس بازی سے آپ کو سخت نفرت تھی، اگر کوئی آتا اور ضرورت سے زیادہ بیٹھ جاتا تو مفتی صاحب کو سخت اذیت محسوس ہوتی، لوگوں کی تنبیہ کے

لیے آپ نے دارالافتاء میں ایک شعر اس طرح ٹانگ رکھا تھا کہ ہر وارد کی نگاہ اس پر ضرور پڑے، شعر یہ تھا:

دیر تک تشریف رکھیے پر کہیں ایسا نہ ہو
آپ کا ہو وقت ضائع اور میرا حرج ہو

مفتی صاحب تہجد پڑھ کر مسجد چلے جاتے، اور بعد نماز فجر قرآن شریف کی تلاوت کرتے، اور مسجد ہی میں مطالعہ کرتے رہتے، یہاں تک کہ گھر سے ناشتہ آتا تو مطالعہ کرتے ہوئے ناشتہ کرتے، اور مدرسہ کی راہ لیتے۔

۱۹۶۵ء سے دوپہر میں کھانے کا معمول نہیں تھا، بل کہ مفتی صاحب کے پوتے مولانا عبدالباری صاحب کھانا پہونچاتے، بعد میں یہ ذمہ داری مولانا عبدالباسط صاحب کے ذمہ بھی آجاتی، شام کا کھانا گھر پر ہی تناول فرماتے، مگر گرمی کے زمانے میں عصر و مغرب کے مابین کھانا تناول فرماتے اور جاڑے کی راتیں گھر پر گزارتے تو بعد مغرب کھانا تناول فرماتے، جب مدرسہ سے کھانے کے لیے گھر تشریف لاتے تو کہتے جلدی کھانا لاؤ، گھر والے کبھی عرض کرتے کہ کھانا کچا ہے تو کہتے کہ کچا ہی لے آؤ، تاکہ مطالعہ میں تاخیر نہ ہو، علم نحو کے مشہور امام خلیل بن احمد فرماتے تھے:

أثقل الساعات عليّ ساعة آكل فيها۔

وہ ساعتیں بڑی گراں گزرتی ہیں، جن میں کھانا کھاتا ہوں۔

(متاعِ وقت اور کاروانِ علم ص ۸۸)

گویا مفتی صاحب بھی اسی کا مصداق تھے۔

استاذ کی شاگرد کو وصیت

حضرت مولا نا شکر اللہ صاحب کی رجال سازی مشہور ومعروف ہے ،اخلاص وللّٰہیت کے خوگر محی السنہ کی اپنے نیک اور محنتی شاگرد پر خصوصی نظر تھی ،مفتی صاحب کا مدرسہ احیاء العلوم میں تقرر ہوا، دارالافتاء سے ربط ہوا،مفتی صاحب بھی پوری زندگی اس کے معترف رہے ،اسی احسان شناسی کا نتیجہ تھا کہ جب مولا نا شکر اللہ صاحب لکھنؤ میں بغرض علاج مقیم تھے تو حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب اپنے استاذ محترم کی عیادت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولا نا شکر اللہ صاحب نے اپنے ہونہار شاگرد کو قیمتی وصیت فرمائی، جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں ،اس وصیت کو ماہ نامہ الفرقان بریلی کے شمارہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ نے شائع کیا، جو حسب ذیل ہے:

(۱) ہمیشہ دینی کام کرنا۔(۲) تم سے مجھ کو بہت فائدہ پہنچا خصوصاً فتویٰ میں۔ (۳) مسائل میں حضرت مولا نا مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی سے ہمیشہ رجوع کرنا اور ان پر اعتماد کرنا۔(۴) حضرت مولا نا حسین احمد صاحب مدنی وحضرت مولا نا اشرف علی صاحب مدظلہما کو ہمیشہ ایک نظر سے دیکھنا، دونوں ملت کے مسلمہ بزرگ ہیں، میرے دل میں ان دونوں حضرات کی قدر ومنزلت یکساں ہے۔ (تذکرۂ علمائے اعظم گڑھ ص ۵۸۸)

اس وصیت نامہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولا نا شکر اللہ صاحب کو اپنے لائق و فائق شاگرد سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، اسی وجہ سے ہمیشہ دینی کام کرتے رہنے کی تلقین فرمائی، وصیت نمبر (۲) میں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے حوصلہ افزائی کی گئی ہے، جب کہ نمبر (۳) میں مستقبل کے لیے بہترین مشورہ ہے، اور نمبر (۴) میں اعتدال فی مراتب الرجال

کی تعلیم ہے، اس لیے کہ برصغیر ہندو پاک کے لیے وہ بڑا پر آشوب دور تھا، جب ملت اسلامیہ دوشیرازوں میں بکھری نظر آ رہی تھی، ایک فریق حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مداح و محب تھا تو دوسری جماعت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کو اپنا پیشوا اور بزرگ تسلیم کرتی تھی، ایسے نازک دور میں محی السنہ کی اپنے شاگرد کو یہ وصیت بڑی معنیٰ خیز اور اہمیت کی حامل ہے۔

علالت اور وفات

آخر عمر میں مفتی صاحب کو ضعف اور اسہال کی شکایت ہوگئی، وفات سے چند ماہ قبل حضرت مفتی صاحب نے آنکھ کا آپریشن کرایا، آپریشن کے لیے مفتی صاحب نے مدرسہ سے رخصت لی، آپریشن کے بعد اسپتال سے گھر چلے گئے، اور یہ پروگرام تھا کہ جب آپریشن کے سلسلہ کی احتیاطی تدابیر مکمل ہو جائیں گی، اور ڈاکٹر سے اجازت مل جائے گی تو پھر مدرسہ آ کر اپنے مشاغل میں مصروف ہو جائیں گے، آپریشن کے سلسلے کی احتیاط کا زمانہ تو گزر گیا، مگر افسوس کہ ضعف و نقاہت بڑھتی گئی، پھر مفتی صاحب مدرسہ نہ آ سکے، یہاں تک کہ وقت موعود آ گیا، اور ۲۲ر محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۳ء کو جمعہ و شنبہ کی درمیانی رات میں اس بندۂ خدا نے (۷۹ر سال کی عمر میں) اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (فتاویٰ احیاء العلوم ۴۸)

نمازِ جنازہ اور تدفین

تجہیز و تکفین کے بعد ڈیڑھ بجے جنازہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے وسیع صحن میں آخری دیدار کے لیے رکھ دیا گیا تھا، دیدار کرنے والوں کا ایک جم غفیر تھا، جو مبارک پور کے ۲۸ر محلوں کے ساتھ ساتھ اطراف و اکناف کے دیہات اور گاؤں لوہرا، گجہڑا، فخر الدین پور،

خیرآباد، محمد آباد، بھیرہ، ولید پور، جہانا گنج، کوپا گنج، مئو، اعظم گڑھ، جین پور، انجان شہید، بمہور، جموڑی اور بنارس کے علماء وصلحاء اور عوام وخواص پر مشتمل تھا، ہر ایک فقیہ عصر کا پرنم آنکھوں سے آخری دیدار کر رہا تھا، ڈھائی بجے جنازہ سمودی عیدگاہ کی طرف روانہ ہوگیا، ہر طرف گلی کوچے بھرے ہوئے تھے، کہیں قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی، بہ دقت تمام نصف کلومیٹر کا سفر طے کر کے جنازہ سمودی عیدگاہ پہونچا، جوق در جوق لوگ آرہے تھے، تاحد نگاہ انسانوں کا سیلاب نظر آرہا تھا، بلاتفریق مذہب وملت اس جنازہ میں سعادت سمجھ کر حاضر تھے، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ناظم اعلی جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور دیوار پر کھڑے ہو کر صفوں کو ترتیب دے رہے تھے اور درست کرا رہے تھے، تین بج کر دس منٹ پر امام جمعہ وعیدین مولانا صدیق احمد صاحب قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی، ۸؍ ہزار لوگوں کو نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مولانا شکر اللہ صاحب کی قبر کے قریب آپ کی تدفین عمل میں آئی، حضرت مفتی صاحب کے صاحب زادگان حاجی عبدالاول اور حاجی عبدالاعلیٰ صاحب نیز ناظم صاحب نے جنازہ قبر میں رکھا، مجمع کی کثرت کی وجہ سے بڑی مشکل سے لوگ مٹی دے سکے، نمازِ عصر سے ذرا پہلے یہ سلسلہ موقوف ہوا، اس کے بعد مبارک پور میں تعزیتی جلسوں کا اہتمام ہوا، اور ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

(مشاہیر احیاء العلوم)

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری علیہ الرحمہ

(تدریسی، دینی اور فتویٰ نویسی کی خدمات)

بقلم: مولانا مفتی فرحت افتخار صاحب قاسمی
استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

چودھویں صدی کے نصف آخر میں مبارک پور کی خاک سے جو نامور اصحابِ علم ودانش اور اربابِ علم وکمال اٹھے، وہ سب آسمانِ علم وفضل کے آفتاب وماہ تاب تھے، جنھوں نے علمی، دینی، فکری، فقہی اور ادبی زندگی میں نہایت وقیع اور مختلف النوع خدمات انجام دیں، جن کے علم وعرفان کی تابانی نے ایک عالم کو منور کیا، جن کی تعلیمی، تدریسی اور دینی خدمات نے بے شمار علمائے ربانیین پیدا کیے، اور ان کے تصنیفی کارنامے عرب وعجم میں پھیلے۔

اسی دور میں مشرقی یوپی کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم کا ستارۂ علم وفن دین کے علم صحیح سے جگمگا رہا تھا، جہاں باکمال اصحابِ علم کی بزم سجی ہوئی تھی، اور علومِ نبوت کا فیضان جاری تھا، اور ادارہ کو مرکزیت کی نعمت حاصل ہوئی، یہ مقام حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ کی علمی وعملی سرگرمیوں کی بدولت حاصل ہوا، جن کی مجاہدانہ کاوشوں کے نتیجہ میں اہل حق کے قدم مبارک پور میں جمے، جنھوں نے بدعات وخرافات اور جاہلانہ رسم

ورواج کی بیخ کنی کر کے احیاءِ سنت کا فریضہ انجام دیا۔

اس درس گاہ سے فیض یاب ہونے والی ایک اہم اور نمایاں شخصیت استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ کی تھی، جنھوں نے پچپن (۵۵) برس تک اس ادارہ میں تدریس وافتاء کے فرائض بطریق احسن انجام دیے اور علم وفقہ کی شمع پوری آب وتاب کے ساتھ روشن رکھی۔

یہ حقیر اپنی کم مائیگی، تمام تر ناواقفیت اور ناتجربہ کاری کے باوجود حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ کی تدریسی، دینی اور فتویٰ نویسی کی خدمات اور علمی وفنی کمالات کو مختصر تحریر میں لانے کی سعی کی ہے، ظاہر ہے کہ اس کوتاہ اور کھوٹے کو ایسی عبقری جامع کمالات اور صاحبِ افتاء شخصیت سے کیا نسبت؟

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح ، تیری مہربانی

تدریسی خدمات

اکابر واسلاف کی سنت پر چلتے ہوئے تدریسی زندگی کو اختیار کیا، مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ۱۳۴۵ھ میں فراغت کے بعد تدریسی زندگی کا آغاز (بروایت حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوریؒ) پنڈ دادن خان پنجاب سے کیا، مگر بُعدِ مسافت اور صعوبتِ سفر ناقابل تحمل ہونے کی وجہ سے مبارک پور سے جانب مشرق پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر موضع ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ کے مدرسہ فیض العلوم میں چند ماہ مدرس رہے، اس وقت وہاں فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم تھی، پھر اواخر ۱۳۴۶ھ میں اپنے محبوب اور شفیق استاذ محی السنہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ کے حکم سے مادرِ علمی احیاء العلوم مبارک پور میں بمشاہرۂ

پندرہ روپئے ماہانہ مدرس ہو گئے، ابتدائی عربی سے ترقی کر کے صدرالاساتذہ اور مفتی جامعہ ہذا کے عہدۂ جلیلہ پر اس وقت تک فائز رہے، جب تک موت کا فرشتہ پیغامِ اجل لے کر حاضر نہ ہو گیا۔

آپ کو سب سے زیادہ دلچسپی پڑھنے پڑھانے سے تھی، مطالعۂ کتب روح کے لیے غذا کی حیثیت رکھتا ہے، شوقِ مطالعہ اور ماخذ کی تحقیق وجستجو نے آپ کے مزاج کو خلوت پسند بنا دیا، گھر پہ ہوتے یا مدرسہ میں، ہمہ وقت کتابوں میں اس طرح گم اور کھوئے ہوئے رہتے کہ دنیا اور مافیہا سے بے خبر ہوتے، قرآن مجید سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا، بکثرت تلاوت فرماتے اور اس میں تدبر وتفکر معمولات میں شامل تھا، وقت کی پابندی آپ کا شیوہ تھا، بروقت مدرسہ پہونچتے، بیماری اور کمزوری کے باوجود سبق اور مدرسہ کا ناغہ نہ فرماتے، مطالعہ اور علمی انہماک کا حال یہ تھا کہ کتابوں کے انبار میں پوری تندہی سے مشغولِ مطالعہ رہتے، آپ کا کمرہ ایک کتب خانہ تھا، کسی نے ان کو خالی بیٹھے نہ دیکھا ہوگا، وقت کی بہت قدر تھی، ضیاعِ وقت کا آپ کے یہاں کوئی خانہ نہ تھا، کمرے کی دیوار پر یہ شعر آویزاں کر رکھا تھا:

دیر تک تشریف رکھیں پر کہیں ایسا نہ ہو
آپ کا ہو وقت ضائع اور میرا حرج ہو

بلاشبہ وقت اللہ جل شانہ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جو یکساں طور پر سب کو ملی، مگر استعمال میں فرق ہے، وقت کی مثال دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی سل سے دی گئی ہے، جس سے اگر صحیح فائدہ اٹھایا گیا تو فبہا، ورنہ تو بہرحال پگھل ہی جاتی ہے۔

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مدت تک میں صوفیاء کے پاس رہا، ان کی صحبت سے مجھے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ **الوقت سیف اقطعه و الاقطعک۔**

وقت تلوار کی مانند ہے، آپ اس کو کسی عمل میں کاٹیے، ورنہ حسرتوں میں مشغول کر کے وہ آپ کو کاٹ ڈالے گا، اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کی حفاظت کریں، کیوں کہ اگر آپ نے اسے اچھے کام میں مشغول نہ رکھا تو وہ آپ کو کسی برے کام میں مشغول کر دے گا۔

حضرت مفتی صاحب کو کثرتِ مطالعہ نے کتابوں کے مضامین کو مستحضر کر دیا تھا، بجلی غائب ہوتی تو دِیا اور موم بتی کا استعمال فرماتے، مطالعہ کا تسلسل جاری رکھتے، گرمی کی شدت ستاتی تو کرتا اور ضرورت ہوتی تو بنیائن بھی اتار دیتے تھے، آپ کے دیانت وتقویٰ کے بارے میں کئی حضرات نے چشم دید واقعہ سنایا کہ اپنے گھر کی قریبی چھوٹی مسجد میں تشریف فرماتے، گرمی کے باعث کرتا اتار کر ایک معمولی چراغ کی روشنی میں مطالعہ اور کتب بینی میں مستغرق تھے، چراغ کے بارے میں دریافت کرنے پر وضاحت فرمائی کہ یہ میرا اپنا چراغ ہے، مصلی حضرات جب چلے جاتے ہیں تو مسجد کا چراغ بجھا کر اپنا چراغ جلائے رکھتا ہوں، اور پڑھنے لکھنے کی ضرورت اس سے پوری کرتا ہوں، یہ احتیاط اور تقویٰ اور دیانت صرف اسی ایک عمل میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسی اہتمام کے ساتھ رہے۔

آپ کے مطالعہ کی شہادت آج بھی وہ اوراق دے رہے ہیں، جو آپ کے زیرِ مطالعہ رہے ہیں، استحضار کا حال یہ تھا کہ کسی کتاب میں مصنف کتاب سے کہیں تسامح نظر آیا، یا کوئی ضروری حاشیہ لگانا مناسب ہوا، تو کتاب کی جلد کے سادہ اوراق پر لکھ کر اس کا ماخذ بھی لکھ دیتے، چناں چہ زیرِ مطالعہ کتاب خواہ اردو ہو یا عربی، حضرت مفتی صاحب کے قلم سے جگہ جگہ حاشیہ لگا ہوا موجود ہے، یہ حروف ونقوش بھی آپ کے متروکات کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

خصوصیاتِ درس

آپ کے یہاں ابتدائی عربی درجات کی کتابوں میں صَرف کا ایک سبق میزان یا

علم الصیغہ کا ضرور ہوتا، درجات علیا میں مشکوٰۃ، بیضاوی، یا ہدایہ اولین اور اخیر میں بخاری شریف جلد ثانی آپ کے زیر درس رہی، آپ کو جملہ فنون میں خصوصاً فن صَرف میں کافی درک ومہارت تھی، محنتی طلبہ کو بہت عزیز رکھتے، محنت کرنا، طلبہ سے محنت لینا، ان کا طرۂ امتیاز تھا، وہ زمانہ باکمال اساتذہ اور اچھے طلبہ کا تھا، کوشش ہوتی کہ یہ بچے مثالی بن جائیں، اس لیے اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ وضع قطع، لباس و پوشاک، پائجامہ ٹوپی وغیرہ اور نشست و برخاست کا جائزہ لیا کرتے تھے، اپنے طلبہ کو علماء وصلحاء کی شکل وصورت اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتے، فیشنی بال ولباس پر سخت تنبیہ فرمایا کرتے، مقامی طلبہ کو نماز کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے، عصر کی نماز باجماعت کے بعد ہی گھر جانے کا موقع دیتے، حضرت کی یہ سعی پیہم اس لیے ہوا کرتی کہ طلبہ بااخلاق، دیندار اور معیاری عالم بن کر قوم وملت کی صحیح خدمت کے قابل ہوسکیں۔

انھوں نے احیاء العلوم کے ماحول پر گہرا اثر چھوڑا، اور یہاں کی علمی اور اخلاقی فضا پیدا کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا، جن کے وجود سے بزم میں رونق قائم تھی، کیا گئے کہ بہارِ علم وفقہ مدہم پڑ گئی ؎

شہادت گل و بلبل بہت ضروری ہے
کوئی ہزار پکارا کرے بہار آئی

دورانِ درس صحیح عبارت اور حلِ عبارت کی طرف خاص توجہ دلاتے، تنبیہ کے لیے لمبی سی چھڑی رکھتے، بقدر ضرورت پٹائی بھی کرتے، آپ کے سبق میں طلبہ کی طبیعتیں شگفتہ ہو جاتیں، دقیق ترین مسائل کو نہایت آسانی سے سلجھا دیتے اور مختصر تشریح کرتے، کتاب سمجھ لی جاتی، دورانِ تعلیم کوئی مشکل مسئلہ آجاتا تو دوبارہ سہ بارہ سمجھانے کی ضرورت ہوتی تو بڑی

بشاشت سے طلبہ کے ذہن میں بٹھانے کی سعی فرماتے، اور پھر وہ دل پر نقش ہو جاتا، جن کو مفتی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے، وہ ان کے درس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، اور جب آپ کے فضائل وکمالات کا تذکرہ کرتے ہیں تو کرتے ہی رہ جاتے ہیں، گویا ان حضرات کا خاص موضوع حیات مفتی محمد یٰسین ہی ہے۔

کسے ڈھونڈیں کدھر جائیں کسے آواز دیں آخر
وہ جس کی مختصر دنیا تمہارے آستاں تک ہے

مولانا انوار احمد صاحب خیرآبادی نے ایک بار کا واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا عبدالمنان صاحبؒ (جو مفتی صاحب کے شاگرد اور احیاء العلوم کے باوقار اور سنجیدہ اساتذہ میں تھے، فارسی سے بخاری شریف کے استاذ ہوئے اور شیخ صاحب کے لقب سے جانے جاتے تھے) کوئی کتاب پڑھا رہے تھے، اتفاقاً دورانِ درس کسی کتاب کی تشریح میں اشتباہ ہوا، اسی دوران راستہ سے مبارک پور کے بے مثال خطیب، درسیات میں کافی پختہ، ماہر فنون، کتاب کے بغیر تدریس کا ملکہ رکھنے والے مشاق استاذ حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوری گزرے، آواز لگائی، حضرت! کتاب راستہ ہی میں کھول دی، اور عرض کیا کہ اس عبارت کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا ہے، مولانا نے فرمایا کہ ارے بڑے میاں (مفتی محمد یٰسین صاحبؒ) کے یہاں چلے گئے ہوتے، انھوں نے ہی تو مجھے بتایا تھا۔

مفتی صاحب کی فنی خوبی

آپ کی جس خصوصیت کا طلبہ میں خاص شہرہ تھا، اس کے متعلق ہمارے محسن ومربی، صاحب علم وقلم، اس ادارہ کے تربیت یافتہ اور اہل مبارک پور سے محبت رکھنے والے

بافیض عالم دین استاذ العلماء حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ”کھوئے ہوؤں کی جستجو“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب طلبہ سے صرفی اورنحوی سوالات بہت کرتے، ذہین و ہوشیار طلبہ صرف ونحو میں بہت رسوخ حاصل کر لیتے، ان کے پاس کوئی طالب علم کسی عنوان سے پہونچ جاتا تو ضرور اس سے صرف یانحو کا کوئی قاعدہ، اس کی مثال، مثال پر قواعد کا انطباق دریافت کرتے، طلبہ آپ کی درس گاہ کے سامنے سے گزرنے سے گھبراتے، گزرنا ضروری ہوتا تو دبے پاؤں گزرتے، تاکہ مفتی صاحب کو خبر نہ ہو، ورنہ ضرور کچھ نہ کچھ پوچھیں گے، کتابوں کے مطالعہ میں غرق ہوتے، قدموں کی آہٹ کان میں آجاتی تو سر اٹھائے بغیر پکارتے: کون ہے، گزرنے والا حاضر ہوتا، نام پوچھتے، اگر نام کے ذیل میں کوئی سوال ہوتا تو اسے برجستہ پوچھتے، کس جماعت میں پڑھتے ہو، پھر اس کی استعداد کے مناسب کوئی صیغہ دریافت فرماتے۔

ایک طالب علم کو بلایا، پوچھا کیا نام ہے، اس نے محمد عیسی بتایا، عیسیٰ اسم متمکن کی سولہ قسموں میں سے کون سی قسم ہے، اعراب کیا ہے؟ عربی چہارم کا طالب علم تھا، مگر مفتی صاحب کے رعب علم کی وجہ سے لڑکھڑا گیا، اور صحیح جواب نہ دے سکا، پوچھا ادھر کہاں جارہے تھے، اس کی زبان سے نکلا، بارش ہورہی تھی، معاً پوچھا کہ بارش کون سا اسم ہے، پھر آپ نے میزان ومنشعب کے طلبہ کے سامنے یہی دونوں سوال رکھے، انھوں نے بتایا کہ عیسیٰ اسم مقصور ہے، پھر سوال ہوا کہ اسم مقصور کیا ہوتا ہے، اس کا جواب دیا گیا، اعراب کا بھی طلبہ نے صحیح جواب دیا، بارش والا سوال کیا، کسی نے بتایا کہ بارش بروزن فاعل ہے۔

ایک دل چسپ سوال

ایک طالبِ علم سے پوچھا کہ مار مینا بھون کھا کون سا صیغہ ہے، طلبہ چکرا اٹھے، پھر

بتایا کہ مارینا صیغہ جمع متکلم فعل ماضی منفی ہے، صیغہ صرف اتنا ہی ہے، مگر طلبہ کے انتقال ذہنی کے لیے مارینا کی مناسبت سے بھون کھا کا اضافہ کر دیا کہ دیکھیں طلبہ کا ذہن منتقل ہوتا ہے یا نہیں، عربی کی ابتدائی کتابیں جو طلبہ پڑھ لیتے تھے، وہ صرف اور نحوی قواعد اور ان کے اجرا میں بہت پختہ اور مشاق ہو جاتے۔

حضرت مفتی صاحب کے نامور تلامذہ

آپ کے سلسلۂ تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ہے، جن میں مصنف بھی ہیں، معلم بھی، مبلغ بھی ہیں، محقق بھی ہیں، صاحب افتاء بھی ہیں، مؤرخ بھی ہیں، رسائل وجرائد کے مدیر بھی اور مدارس وجامعات کے صدور ونظماء بھی ہیں، جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ناموں کی فہرست تو طویل ہے، سب کا ذکر مشکل اور طوالت کا باعث ہوگا، البتہ چند نامور اسماء ذکر کیے جا رہے ہیں، مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ، حضرت مولانا عبد الباری صاحب مبارک پوریؒ ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، ماہر فنون حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوریؒ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارک پوریؒ، حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبد المنان صاحب باسوپاریؒ شیخ الحدیث جامعہ ہذا، حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوریؒ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی، ترجمانِ حنفیت حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ، حضرت مولانا محمد مسلم صاحب بمہوریؒ، حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رہبرؔ مبارک پوریؒ، حضرت مولانا جمیل احمد صاحب قاسمی مدنیؒ (سابق) ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، حضرت مولانا محمد عارف

صاحب جہانا گنجیؒ شیخ الحدیث جامعہ ہذا، حضرت مولانا نیاز احمد صاحب عمری سریانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب مبارک پوری دامت برکاتہم استاذِ حدیث و مفتی جامعہ ہذا، حضرت مولانا مفتی احمد الراشد مبارک پوری دامت برکاتہم، حضرت مولانا رفیق المنان صاحب قاسمی استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ دامت برکاتہم۔

دینی خدمات

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب کی ہر دل عزیزی کا حال یہ تھا کہ مبارک پور کے لیے آپ کی حیثیت قاضی کی تھی، جمعہ وعیدین کی امامت، نماز جنازہ اور نکاح خوانی، آپ کے سپرد تھی، مقامی اور آس پاس کے دینی جلسوں میں شرکت کرتے، خالص اصلاحی وعظ وتقریر فرماتے، عموماً کوئی حدیث پڑھ کر اس کی روشنی میں نہایت عام فہم لیکن پُرمغز وعظ کہتے، نہ لچھے دار تقریر ہوتی، نہ خطابت کا زور، نہ ہی خطابت کا اتار چڑھاؤ تھا، بلکہ قرآن وحدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال واعمال اس طرح بیان فرماتے کہ بات دل نشیں ہو جاتی، اور مجمع محبت وعقیدت سے ہمہ تن گوش ہوتا۔

آپ مبارک پور کی جامع مسجد کے امام تھے، جو اسلامی فن تعمیر کا خوب صورت نمونہ ہے، عمامہ باندھنے کی سنت پر آپ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، ہر جمعہ کو اکثر سیاہ اور کبھی کافی کلر (رنگ) کا جبہ زیب تن فرماتے، اور عمامہ باندھ کر عصا بدست کھڑے ہوتے تو جامع مسجد اسلامی جاہ وجلال کا نمونہ نظر آتی تھی، جمعہ میں موقع بموقع خطاب بھی فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے: قال رسول اللہ ﷺ ما علی احدکم ان وجدان یتخذ ثوبین لیوم الجمعۃ سوی ثوبی مھنتہ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲۲ باب التنظیف والتبکیر)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی گنجائش رکھتا ہو تو وہ اپنے روزمرہ استعمالی کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے الگ سے دو کپڑے بنالے۔

سنن ومستحبات کے بے حد پابند، جمعہ میں عمامہ باندھنے کا اہتمام فرماتے تھے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ان النبی ﷺ خطب و علیہ عمامة سوداء وقدارخیٰ طرفیھابین کتفیہ یو م الجمعة۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ دیا تو آپ کے سرمبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔(مشکوٰۃ ص ۱۲۲ باب الخطبۃ والصلوٰۃ) عمامہ باندھنے کی یہ سنت متروک ہورہی ہے، اللہ اس سنت کو زندہ رکھنے کی توفیق دیں۔آمین

آپ کے ہاتھ پر قبولِ اسلام:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ دین کے سچے خادم، گفتار وکردار اور اخلاق واعمال میں سلف کا نمونہ، آپ کی خاموش عملی تحریک اتنی اثر انگیز ہوئی کہ ضلالت وگمراہی میں ڈوبے غیر مسلموں کو اسلام کی روشنی دکھائی اور کئی ایک آپ کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے، (۱) مولانا رحمت اللہ قاسمی: آپ کا آبائی وطن جبین پور اعظم گڑھ ہے، اس وقت ابراہیم پور میں سکونت پذیر ہیں، (۲) ان کے والد بزرگوار (۳) مولوی برکت اللہ صاحب: ان کا بھی وطن خالص پور ہے، فی الحال جون پور میں مقیم ہیں، (۴) عبدالرحمٰن پولس چوکی مبارک پور کے باشندہ تھے، اس وقت مئو میں مقیم ہیں۔(۵) کاشف پور ستھیاؤں ضلع اعظم گڑھ کے ایک باشندہ جن کا نام معلوم نہ ہوسکا، ان کے علاوہ اور بھی ہیں، جنھوں نے مفتی صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔

فتویٰ نویسی

فتویٰ نویسی بڑا مشکل اور دقیق فن ہے ،ذمہ داریوں کے اعتبار سے بہت ہی نازک، وسیع وعمیق مطالعہ کا متقاضی ،تفقہ فی الدین کے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا دشوار کام ہے،مبدأ فیاض سے آپ کو تفقہ کی عجیب شان عطا کی گئی تھی ،تا کہ امت کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں ، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:من یرداللّٰہ بہ خیرا یفقہ فی الدین۔ (بخاری) جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں،اس کو دین کی سمجھ اور فقاہت عطا فرمادیتے ہیں،جس شخص کو فقاہت کی دولت حاصل ہوجاتی ہے،اس کا سینہ دینی مسائل واحکام کے لیے پوری طرح منشرح ہوجا تا ہے،فقہ کے بظاہر یکساں دکھائی دینے والے ہزارہا جزئیات اور فروعی مسائل سے متعلق احکامات کے مابین جو معمولی سا فرق نظر آتا ہے، اسے سمجھنے کے لیے گہرے علم اور عقل وبصیرت کی ضرورت ہوتی ہے ، دینی علوم میں رسوخ کے بغیر اس اہم ذمہ داری کو کما حقہ انجام نہیں دیا جاسکتا ،حضرت مفتی صاحب کو اس منصب کے مناسب خالق کائنات نے فہم وذکاوت اور فقاہت کی خصوصی دولت عطا کی تھی ۔

آپ کی تدریسی زندگی کا ایک اہم اور لازمی جز فتویٰ نویسی تھا،تدریسی زندگی کے دوسرے ہی سال حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ کے معاون مفتی بن گئے ،فتویٰ دینے کی اہلیت محض کتابوں کے دیکھنے سے نہیں ہوتی ، بلکہ منصبِ افتاء پر فائز ہونا صرف اس شخص کے لیے روا ہے جس نے کسی ماہر استاذ اور صاحبِ افتاء کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی ہو،حضرت مفتی صاحب نے اپنے استاذ گرامی مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ کی معیت میں رہ کر اس مرحلہ کو طے کیا تھا ، پھر ۱۳۵۲ھ میں مستقلاً منصبِ افتاء پر فائز

ہوئے، اور ۱۳۶۰ھ سے آپ نے فتاویٰ کی نقول رکھنی شروع کی، آپ کے قلم سے نکلے ہوئے فتاویٰ کی تعداد بہت ہے، وہ علم وتفقہ کا بیش بہا خزانہ ہیں، یہ ۴۴ رسالہ فتاویٰ اگر کتابی شکل میں مرتب ہوجائیں تو اس اہم علمی ذخیرے سے عوام وخواص استفادہ کرسکیں گے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی فتویٰ نویسی میں شہرت اور مقبولیت صرف علاقہ اور قریبی دیار تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ آپ کے ذریعہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کا دارالافتاء پورے ملک میں ایک اہم اور نمایاں دارالافتاء مانا جاتا رہا ہے، اور بحمد للہ آج بھی اس کی حیثیت برقرار ہے۔

آپ کے فتاویٰ کی زبان نہایت عمدہ، تحقیق ودلائل سے آراستہ، اس پر مستزاد جاذبِ نظر خط جیسے حروف کو نگینے کی طرح جڑ دیا گیا ہو، آپ کی ذات فتویٰ نویسی میں سند کی حیثیت رکھتی تھی، دارالافتاء میں مسائل دریافت کرنے، قصبہ اور قصبہ سے باہر کے لوگ برابر آتے، تشفی بخش جواب دیتے، سائل صاحبِ علم ہوتا تو بجائے زبانی جواب دینے کے اطمینانِ قلب کے لیے وہ کتاب اور ماخذ نکال کر دیتے کہ پڑھ لیجئے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ملک کے اہم اور بڑے مدارس کی صاحب افتاء شخصیتوں نے مفتی صاحب کے جواب پر رجوع کیا، فخر ومباہات کے بجائے انکساری وخاکساری میں ڈوبے رہتے، آپ کا فتویٰ دلائل وندرت کا مرقع ہوتا، ترجیح وقوت میں بھاری رہتا، مفتی صاحب کا لکھا ہوا فتویٰ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں بھیجا جاتا تو وہاں بھی مفتیانِ کرام اس کی تصدیق وتصویب فرماتے، راقم الحروف کی نگاہوں سے ایسے کئی فتاویٰ گزرے ہیں، نقل فتاویٰ کے رجسٹروں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کی علمی بصیرت، وسیع النظری، فقہ وفتاویٰ میں کامل مہارت پر سب کا اتفاق تھا۔

تنگ میخانہ تھا میں ساقی نے یہ کیا کر دیا
پینے والے کہہ اٹھے یا پیر میخانہ مجھے

فتاویٰ احیاء العلوم

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کا ایک انتخاب فتاویٰ احیاء العلوم کے نام سے ۱۴۰۵ھ/نومبر ۱۹۸۴ء میں شعبۂ نشر واشاعت جامعہ عربیہ احیاء العلوم سے شائع ہوا، اہلِ علم بالخصوص صاحبِ فقہ وفتاویٰ کی خدمت میں اس علمی سوغات کو پیش کیا گیا، جسے ملک کے گوشے گوشے میں اربابِ نظر اور اہل علم وفن نے بنظر استحسان دیکھا، اسے مدارس کے دارالافتاء میں مرجع کی حیثیت حاصل ہے، اور جلدیں شائع کیے جانے کا منصوبہ ہے، اس وقت اس پر کام جاری ہے، اگر مؤقر ارکانِ شوریٰ کی توجہ ہوئی تو بہت جلد ان شاء اللہ منظر عام پر آجانے کی توقع ہے۔

ماخذ ومراجع

بخاری شریف	الامام محمد بن اسماعیل البخاری
مشکوٰۃ شریف	شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی
کھوئے ہوؤں کی جستجو	مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
حامی دین متین	مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوریؒ

(مشاہیر احیاء العلوم)

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ

تحریر: مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری

استاذ العلماء، صدر مجلس فقہ وفتاویٰ، سادگی و جفا کشی کے پیکر، فقیہ العصر، مربی و مصلح، کام یاب مدرس و معلم شخصیت کا اسم گرامی مولانا مفتی محمد یٰسین بن عبدالسجان بن شیخ عبداللہ بن قیام الدین بن لال محمد صاحب ہے۔

یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ/ ۱۴رفروری ۱۹۰۷ء پنجشنبہ کو محلہ پرانی بستی کے ایک معزز خاندان میں زندگی کی پہلی سانس لی۔

جب پڑھنے لکھنے کے لائق ہوئے تو اپنے محلہ کے جید الاستعداد عالم دین مولانا عبدالرحمٰن بن حاجی محمد قاسم صاحب نے بسم اللہ کرائی، حکیم محمد سعید پورہ صوفی سے قرآن کریم کی دولت حاصل ہوئی۔

اردو، فارسی اور عربی تعلیم کے لیے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں بیٹھائے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد صدیق صاحب برئی پوریؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ، حضرت مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاریؒ، مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ، مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوریؒ کی درس گاہوں میں حاضری دے کر ان کے چمنستانِ علم سے علم وفن کے پھول چنے، اور ان کے دریائے فضل سے موتیوں کا انتخاب کیا۔

آپ کا حضرت مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری سے خصوصی تعلق تھا، اسی کا اثر تھا کہ جب مولانا کوئریا پاریؒ نے یہاں سے علیٰحدہ ہو کر اپنی تدریس کا مرکز مدرسہ ناصر العلوم

گھوسی کو بنایا تو آپ بھی گھوسی پہونچ گئے، اور ۵/سال تک مولانا کوئر یا پاریؒ کے علم وفضل سے موتی چنتے رہے۔

کچھ دنوں مئو میں مولانا ابوالحسن مئوی سے مستفیض ہوئے، پھر اعلیٰ تعلیم کے ذوق وشوق نے دیوبند پہونچادیا، ۱۳۴۲ھ میں شہرۂ آفاق درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس دور میں دارالعلوم دیوبند امام حدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ اور جامع منقول ومعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ وغیرہم کے وجود وفیض سے گلشنِ آفتاب وماہتاب بنا ہوا تھا۔

رسمی تکمیل کے بعد کچھ دنوں تدریسی سلسلہ پنڈ دادن پنجاب میں رہا، مگر دور دراز مسافت اور سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے گھر سے قریب ابراہیم پور میں مدرسی قبول کرلی، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۳۴۹ھ میں بہ مشاہرۂ ۱۵/روپئے جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، اور تاحیات اسی سے وابستہ رہے، درجہ ادنیٰ کے مدرس سے ترقی کرکے صدر المدرسین، ناظمِ تعلیمات، رکنِ مجلس شوریٰ اور مفتیِ جامعہ کے منصب پر فائز ہوئے۔

مدرسی کے سوا سال بعد حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ کے معاون مفتی بنائے گئے، اس دور میں مولانا شکر اللہ صاحب کے لکھے ہوئے فتاویٰ کی تصدیق وتصویب کرتے تھے۔

پھر ۲۶/رجب المرجب ۱۳۵۲ھ سے فتویٰ نویسی شروع کردی، اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک تحقیق وتدقیق اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

فتویٰ کی عبارت ایسی آراستہ وپیراستہ کہ کہیں ایک لفظ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں

ہوتی،فتویٰ نویسی میں ان کی ذات سند کی حیثیت رکھتی تھی، دور دراز مقامات سے استفتاء آتے تھے، کبھی دوسرے صاحب افتاء سے اختلاف ہوتا تو بحیثیت دلائل مفتی صاحب کا فتویٰ بھاری ہوتا تھا، راقم کی نگاہ سے نقولِ فتاویٰ کے رجسٹر میں کئی ایسے مسائل گزرے ہیں۔

مسائل دریافت کرنے کے لیے قصبہ و بیرون قصبہ سے مسلسل لوگوں کی آمد رہتی تھی، سب کو تسلی بخش جواب دیتے تھے، مسائل کا استحضار تھا، مگر سائل کو زبانی جواب دینے کے ساتھ اطمینانِ قلب کے لیے کتاب کی عبارت اور حوالہ بھی دکھا دیتے تھے۔

قصبہ میں مفتی صاحب کی حیثیت گویا قاضی کی تھی، نکاح پڑھانا، جمعہ و عیدین کی امامت انھیں کے سر تھی۔

طلبۂ عزیز کی تعلیم و تربیت کا حد درجہ اہتمام تھا، جو طالب علم سامنے آجاتا، اس سے دریافت کرتے کہ کیا پڑھتے ہو؟ کتاب کا نام بتانے پر اس کتاب سے زبانی کوئی سوال کرتے، جواب دینے پر خوش ہوتے، ورنہ اسے محنت سے پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

نحیف الجثہ، دبلے پتلے، دراز قد، گھنی داڑھی، سنجیدگی و متانت کے مرقع، ڈھیلا ڈھالا لمبا کرتا، دو پلی ٹوپی، جمعہ کے روز عام طور سے سیاہ عمامہ، سیاہ لمبا عبا، اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔

مطالعہ اور فتویٰ نویسی میں جزئیات کی تلاش و جستجو، ماخذ و مراجع کی چھان بین کے پیشِ نظر اکثر جامعہ ہی میں شب گزارتے تھے، بسا اوقات لڑکوں سے کھانا منگوا لیتے تھے، دارالافتاء میں بیٹھے مصروفِ مطالعہ رہتے، دائیں بائیں کتابیں تپائیوں پر لدی رہتی تھیں، سردی ہو یا گرمی یا برسات کی جھڑی ان کے معمولات اور درس و تدریس میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

تعلیم کا طریقہ سیدھا سادہ، محنت کرنا اور طلبہ سے محنت لینا، ان کا طرۂ امتیاز تھا، ان کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ طلبۂ عزیز کو کچھ آجائے، اَخلاقی تربیت کے ساتھ طلبہ کی وضع قطع

اور نشست و برخاست کا جائزہ لیا کرتے، طلبۂ عزیز کو علماء وصلحاء کی شکل وصورت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے، کبھی کبھی ٹوپی اتروا کر بال کی تراش وخراش بھی دیکھتے، اگر فیشنی پاتے تو سخت تنبیہ کرتے۔

مقامی طلبہ کو بھی نماز کی پابندی کی طرف بار بار توجہ دلاتے، تاکید کرتے، الغرض طلبہ کی تعلیمی واَخلاقی تربیت کا پاس ولحاظ بہت زیادہ تھا، مقامی اور اطراف کے دینی جلسوں میں مفتی صاحب کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی، سنجیدہ انداز میں پند ونصیحت قرآن وحدیث اور بزرگان دین کے اقوال واعمال کی روشنی میں اس طرح کرتے کہ بات دل میں اتر جاتی، ان کی چندمنٹ کی سادہ بیانی، گھنٹوں کی لچھے دار تقریر سے تاثیر میں بڑھی ہوتی تھی۔

مفتی صاحب مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک انسان تھے، بحث ومباحثہ اور قیل وقال سے حتی الامکان پرہیز کرتے تھے۔

مفتی صاحب کی پچاس سال سے زائد زندگی قال اللہ اور قال الرسول میں گزری، اور کتبِ درسیہ کی توضیح وتشریح میں صرف ہوئی، اس مدت میں بےشمار تلامذہ پیدا ہوئے، جن کا شمار خدائے علیم ہی بہتر جانتا ہے۔

آخری عمر میں اسہال کی شکایت ہوئی، ضعف ونقاہت بڑھتی رہی، چند ماہ قبل آنکھوں کا آپریشن کرایا تھا، اس کے لیے مدرسہ سے رخصت لی تھی، خیال تھا کہ احتیاطی تدابیر کی تکمیل کے بعد جامعہ حاضر ہوکر تدریس وافتاء میں مصروف ہوجائیں گے۔

مگر ضعف ونقاہت آڑے آئی، ۲۲ محرم ۱۴۰۴ء/ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۳ء کی شب میں ساڑھے بارہ بجے اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

دوسرے دن غسل وکفن کے بعد نعش جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں آخری

دیدار کے لیے لائی گئی، شائقین دیدار پروانہ وار گر رہے تھے، محتاط اندازہ کے مطابق ۲۰ ر ہزار کا مجمع تھا۔

سمودی عیدگاہ کے سامنے تین بج کر ۱۰ رمنٹ پر نماز جنازہ ادا کی گئی، اور حضرت مولانا شکراللہ صاحب مبارک پوری کے مزار کے قریب سپرد خاک کیے گئے۔

تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

حامیٔ دین متین: مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوری

فتاویٰ احیاء العلوم: مرتب مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری

تذکرۂ علمائے اعظم گڑھ: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

اکابرِ احیاء العلوم: محمد صادق مبارک پوری

(تذکرۂ علماء مبارک پور جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ

(وفات ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء)

از: مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب اعظمی استاذِ حدیث دار العلوم مئو

نام ونسب:

محمد یٰسین بن عبد السبحان بن شیخ عبد اللہ بن قیام الدین بن لعل محمد۔

ولادت:

یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ/ ۱۴؍فروری ۱۹۰۷ء بروز پنج شنبہ محلہ پرانی بستی قصبہ مبارک پور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم محلہ کے مایۂ ناز عالم مولانا عبد الرحمٰن بن حاجی محمد قاسم اور حکیم مولانا محمد سعید سے حاصل کی، پھر مدرسہ احیاء العلوم میں داخل ہوکر، اردو، فارسی اور عربی پڑھی، آپ کے اساتذہ میں مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاریؒ (م۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) مولانا حکیم محمود معروفیؒ (م۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)، مولانا شکر اللہ مبارک پوریؒ (م۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء)، مولانا نعمت اللہ مبارک پوریؒ (م۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)، مولانا ابوالحسن مئوی (م۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء)اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ بھی ہیں۔

مولانا علی احمد صاحب جب احیاء العلوم چھوڑ کر مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں مدرس ہوئے تو آپ بھی وہاں پہونچے اور غالباً پانچ سال تک تعلیم حاصل کی، پھر ۶ رشوال ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء کو دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور تین سال رہ کر شعبان ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی اور علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہم اللہ ہیں۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد چند ماہ آپ نے پنڈ دادن خاں (پنجاب) میں درس دیا، لیکن سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے مبارک پور کے قریب موضع ابراہیم پور میں مدرسی قبول کر لی، پھر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں مدرسہ احیاء العلوم میں بحیثیت مدرس بلا لیے گئے اور تاوفات مدرسہ احیاء العلوم سے وابستہ رہے، ابتدائی عربی کے مدرس سے ترقی کر کے صدر مدرس بھی ہوئے اور مفتی بھی، ناظمِ تعلیمات بھی ہوئے اور رکنِ مجلسِ شوریٰ بھی، آخر میں بخاری شریف جلد ثانی کا درس اور فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد رہا۔

منصبِ افتاء:

ربیع الاول ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں آپ مدرس ہوئے تھے اور مدرسہ احیاء العلوم میں نقولِ فتاویٰ کا سلسلہ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء سے شروع ہوا، آپ ناقل فتاویٰ تھے اور مولانا شکر اللہ صاحب کے فتاویٰ پر تصدیق وتصویب بھی کیا کرتے تھے، یعنی آپ مدرسی کے کچھ دنوں بعد معاون مفتی بن گئے، اس وقت آپ کی عمر ۲۵ر برس سے کچھ زائد تھی۔

لیکن باضابطہ فتویٰ نویسی کا کام آپ نے ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء کے بعد انجام دینا شروع کیا اور یہ سلسلہ تادمِ حیات قائم رہا، جو ۵۴ ربرس پر محیط ہے، آپ کو جزئیات پر کافی عبور تھا، فتویٰ بڑی تحقیق وتدقیق کے بعد دیا کرتے تھے، زبانی جواب دیتے تو فوراً کتاب نکال کر دکھایا کرتے تھے، فتویٰ نویسی میں آپ کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا، اچھے اچھے مفتیوں کا بےلاگ تعاقب کرتے، جس کتاب کے جس مسئلہ پر اطمینان نہ ہوتا اس پر لفظ "تأمل" لکھ دیتے، علمِ فرائض میں بے حد ملکہ تھا اور خصوصی مہارت حاصل تھی، آپ کے فتاویٰ ملک کے جرائد میں بھی شائع ہوتے رہے، مثلاً "البلاغ" ممبئی میں ایک عرصہ تک آپ کے فتاویٰ شائع ہوئے۔

آپ کے منتخب فتاویٰ کی پہلی جلد مدرسہ احیاء العلوم سے صفر ۱۴۰۵ھ/ نومبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوچکی ہے، اس جلد میں شائع فتاویٰ کا تعلق "باب الحظر والاباحة" سے ہے، مرتب فتاویٰ مولانا جمیل احمد نذیری لکھتے ہیں: "مگر پیشِ نظر جلد صرف حضرت مفتی صاحب ہی کے فتاویٰ پر مشتمل ہے اور مفتی صاحب کے رجسٹروں میں سے انہیں رجسٹروں کا انتخاب کیا ہے جو "کتاب الحظر والاباحة" کے نام سے موسوم ہیں۔

محدثِ عصر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ آپ کی فتویٰ نویسی کے بارے میں رقم طراز ہیں: "اور افتاء کی شاندار خدمت انھوں نے انجام دی، اس کا اندازہ آپ کے ان فتاویٰ سے لگا سکتے ہیں جو "فتاویٰ احیاء العلوم" کے نام سے شائع کیے جارہے ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ جو آپ کے دیوبند میں دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں تھے، انہوں نے اپنے تاثرات میں تحریر فرمایا ہے: "تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی انہیں کے سپرد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصف صدی سے زیادہ انھوں نے بحسن وخوبی یہ

خدمت انجام دی، ان کے فتاویٰ ممبئی کے "البلاغ" میں بھی شائع ہوتے تھے، جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افتاء کاملکۂ راسخہ عطا فرمایا تھا۔

مولانا الحاج نصیر احمد خان صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں: "فتاویٰ نویسی میں مفتی صاحب کی مہارت اور اصابت رائے کا اندازہ ان کے زیرِ نظر "فتاویٰ احیاء العلوم" سے بخوبی ہوسکتا ہے، مفتی صاحب نے بعض اہم مسائل کے بڑے مفصل ومحققانہ جوابات دیے ہیں"۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب رقم طراز ہیں: "حضرت مفتی صاحب کے بہت سے جوابات استفتاء بھی احقر کو دیکھنے نصیب ہوئے، جوابات نہایت مدلل ومکمل وٹھوس دیکھنے میں آئے"۔

آخر میں ہم ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں سے ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں، جس سے آپ کی شانِ فقاہت ظاہر ہوتی ہے: "فتاویٰ احیاء العلوم" (ص ۸۵) پر یہ عنوان اور سوال اور پھر اس کا جواب مذکور ہے، قارئین کے نفع کے لیے نقل ہے:

دلبستگیٔ ماحول کے لیے بھی کفار کی موافقت جائز نہیں:

سوال: زید پوجا اور کتھا کے موقع پر ایک ہندو دوست کے گھر اس کے مدعو کرنے پر جاتا ہے، بہت سارے ہندو جمع ہوتے ہیں، دوران پوجا یا اختتام پر بہر تعظیم یا بسبب دیگر، تمام لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں، ساتھ میں زید بھی کھڑا ہوتا ہے، مگر اس کا کھڑا ہونا تعظیماً یا احتراماً یا عقیدۃً نہیں، بل کہ دلبستگیٔ ماحول کے زیرِ اثر ہے، لہٰذا اس کی ایستادگی بروئے شریعت کیا مقام رکھتی ہے؟

الجواب: زید کو اس پوجا کتھا میں شریک ہونا درست نہیں، قال تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورۂ ہود ۱۱۳) ترجمہ: تم لوگ ظالموں کی طرف مائل نہ ہو، ورنہ جہنم کی آگ تم کو چھولے گی، یعنی جہنم کے مستحق بن جاؤ گے۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ انعام ۶۸) یعنی بعد نصیحت کے قوم ظالمین کے پاس مت بیٹھو، یعنی کفار سے اختلاط مت رکھو۔ فی الحدیث: من كثر سواد قوم فهو منهم (جو شخص کسی قوم کی تعداد کو بڑھائے، وہ انہیں میں سے ہوجاتا ہے) اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قربِ قیامت میں ایک لشکر کعبہ معظّمہ پر چڑھنے کے ارادہ سے چلے گا، جب قریب پہونچیں گے، سب زمین میں دھنس جائیں گے، ازواجِ مطہرات میں سے ایک بیوی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اس میں تو بازاری دکاندار لوگ بھی ہوں گے کہ ارادہ لڑنے کا نہ رکھتے ہوں گے، ان کا کیا قصور؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا عذاب عام ہوتا ہے، اس وقت دھنس جائیں گے، پھر قیامت کے روز اپنی اپنی نیت کے موافق محشور ہوں گے، انتہی۔

پس جب یہ لوگ باوجودیکہ ضرورت تجارت کے سبب ان کے ساتھ شامل ہوں گے، عذابِ الٰہی سے نہ بچیں گے، تو جس کو یہ بھی ضرورت نہ ہو وہ کیوں کر اس غضب وعتاب سے جو مجمعِ کفار میں من اللہ نازل ہوا کرتا ہے، محفوظ رہے گا۔ اللھم قنا فتنةً لا تصيبن الذين ظلموا منا خاصةً۔ انتہی۔

وفات:

۲۲ رمحرم الحرام ۱۴۰۴ھ/ ۲۹ راکتوبر ۱۹۸۳ء جمعہ وشنبہ کی درمیانی شب میں وفات ہوئی۔

(اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات)

مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ

ازقلم: مولانا فضیل احمد صاحب ناصری

استاذ حدیث جامعۃ الامام انور شاہ دیوبند

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے مفتیٔ ثانی حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ یکم محرم ۱۳۲۵ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پورہ صوفی میں مولوی حکیم محمد صاحبؒ سے پائی، پھر جامعہ عربیہ احیاء العلوم سے مراجعت کی، یہاں مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاریؒ سے خصوصی لگاؤ رہا، استاذِ محترم ناصر العلوم گھوسی گئے تو ان کے پیچھے یہ بھی گھوسی پہونچ گئے، یہاں سے فارغ ہوئے تو دیوبند کا رخ کیا، یہ وہ دور تھا جب امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علمی جلال کا شہرہ مشرق و مغرب کو للکار رہا تھا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مسندِ درس سجائے بیٹھے تھے، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا اعزاز علی امروہویؒ کے ماہتابِ کمال سے دنیائے علم و عرفان مستنیر ہورہی تھی، مفتی محمد یٰسین صاحب نے ایسے ہی جبالِ رجال سے استفادہ کیا، ۱۳۴۵ھ میں فراغت پائی، مولانا منظور احمد نعمانی اور مولانا اسلام الحق کوپاگنجی ان کے رفقائے درس میں تھے۔

یہاں سے نکلے تو عملی زندگی میں قدم رکھ دیا، بہار کی راجدھانی پٹنہ پہونچے اور تدریسی سفر کا آغاز کردیا، وہاں سے اٹھے تو پنڈ دادن خاں پنجاب چلے گئے، پھر بُعدِ مسافت کی وجہ سے اسے چھوڑا تو اپنے وطن کے قریب ہی ابراہیم پور کے مدرسے میں اپنا مشغلہ جاری رکھا، ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا شکر اللہ صاحبؒ کی کوششوں سے اپنی مادرِ علمی احیاء العلوم میں آگئے اور تادمِ واپسیں یہیں خدمات پیش کیں۔

مفتی صاحب اتباعِ سنت کے بڑے پاس دار تھے،عوام سے مربوط بھی، مطالعہ کے خوگر، جفاکشی کا استعارہ، گرچہ ہرفن مولا تھے اور علم وفن پر ان کی گہری نظر، تاہم تفقہ فی الدین میں ان کا رسوخ انتہائی حیرت انگیز تھا، وہ جس مسئلے پر لکھتے، تحقیق کا انبار لگا دیتے، کبھی عقدہ نہ کھلتا اور مسئلے پر اپنی رائے ظاہر کرنی ہوتو "تأمل" جیسے الفاظ سے مفتیانِ کرام کوغور وفکر کی دعوت دیتے، ان کے فتاویٰ کو اپنوں میں یہ اعتبار کہ دارالعلوم دیوبند نے بھی کئی بار ان کی تحقیق کے بعد اپنے فتوے سے رجوع کیا، غیر دیوبندی بھی ان سے اپنے مسائل حل کروا کر چہرے پہ یقین کا نور سجاتے۔

احیاء العلوم میں فتویٰ نویسی کا آغاز اگر چہ محی السنۃ مولانا شکراللہ صاحبؒ کے عہد سے ہی شروع ہو گیا تھا اور وہ فتاویٰ لکھتے بھی تھے، جن کی نقل اب بھی موجود ہے، تاہم اس کا شہرہ مفتی یٰسین صاحب سے زیادہ ہوا، بل کہ بہت زیادہ! ان کے فتاویٰ کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے، مولانا شکراللہ صاحب کو ان کے فتاویٰ پر کتنا اعتماد تھا، اسے سمجھنے کے لیے ان کی وصیت کے یہ الفاظ دیکھیے، جو انھوں نے لکھنؤ اپنے علاج کے دوران مفتی صاحب سے کہے تھے۔ الفرقان لکھنؤ کے ربیع الاول ۱۳۶۱ھ والے شمارے میں درج ہے کہ:

ہمیشہ دینی کام کرنا، تم سے مجھ کو بہت فائدہ پہونچا، خصوصاً فتویٰ میں۔

۱۳۵۲ھ سے تا وفات انھوں نے اس عہدے کو مسلسل رونق بخشی، اکتوبر ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۴ھ میں وصال فرمایا۔

ان کے وصال کے بعد بھی یہاں کا دارالافتاء اپنی خاص شناخت کے ساتھ سرگرم سفر ہے، ان کے خصوصی شاگرد مفتی محمد امین مبارک پوری زید مجدہم اس شعبہ کو بحسن وخوبی چلا رہے ہیں۔

(مولانا فضیل احمد ناصری صاحب کے سفرنامہ "جہاں نما کی سیر" سے ماخوذ)

مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ

(قاضی اطہر مبارک پوریؒ کے حوالے سے)

ازقلم: حبیب الرحمٰن الاعظمی ابراہیم پوری فاضل دارالعلوم دیوبند

مورخ اسلام مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ (متوفی: ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء) جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں، اور طالب علمی کے زمانے کے بعد بھی قاضی صاحبؒ کے حضرت مفتی صاحبؒ سے قریبی اور خاص تعلقات رہے ہیں، جن کا قاضی صاحب نے اپنی خودنوشت سوانح "کاروانِ حیات" اور "قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک" میں بھی حسبِ موقع مختصر تذکرہ کیا ہے، اور مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ نے کھوئے ہوؤں کی جستجو (ص ۴۷) میں لکھا ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے بمبئی زمانۂ قیام کے دوران ایک خاص قیمتی قلم بھی مفتی صاحب کو لاکر ہدیہ کیا تھا، یہ استاذ و شاگرد کے بہتر تعلقات کی واضح دلیل ہے۔

راقم السطور کا خیال تھا کہ قاضی صاحبؒ نے اپنے اس عظیم استاذ کے تعلق سے مستقل تذکرہ لکھا ہوگا، لیکن مفتی صاحب کے تعلق سے قاضی صاحب کی کوئی مستقل تحریر باوجود تلاش کے نظر نہ آسکی، قاضی صاحب کے پوتے جناب قاضی عدنان صاحب سے بھی اس سلسلے میں معلوم کیا تو انھوں نے بھی بتایا کہ "مفتی یٰسین صاحب رحمہ اللہ کے متعلق قاضی صاحب رحمہ اللہ کی کوئی تحریر نہیں دکھائی دی"۔

البتہ قاضی صاحبؒ نے مفتی یٰسین صاحبؒ پر مستقل تاثراتی وسوانحی تحریر کا ارادہ کیا تھا اور" تاریخ وفات" کے ذیل میں ان کی تاریخ وفات بھی لکھی تھی، لیکن وہ ارادہ مکمل نہ ہوسکا۔

۱۹۷۴ء میں تذکرۂ علماء مبارک پور کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا، اور مفتی صاحب کی وفات ۱۹۸۳ء میں ہوئی، تیرہ سال بعد یعنی ۱۹۹۶ء میں قاضی صاحب بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے، بعد میں مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری نے تذکرۂ علماء مبارک پور میں اضافہ کرکے گزشتہ سال شائع کیا ہے۔

ذیل میں مفتی صاحبؒ کے تعلق سے قاضی صاحبؒ کی ان ہی متفرق ومختصر تحریروں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ نے اپنی خودنوشت سوانح حیات" قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک مع کاروانِ حیات" میں احیاء العلوم کے اساتذہ کے ذیل میں حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ کا تذکرۂ خیر اِن الفاظ میں کیا ہے:

> " مدرسہ احیاء العلوم کے عربی اساتذہ میں مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ متوفی ۲۲ رمحرم ۱۴۰۴ھ میرے سب سے پہلے استاذ ہیں، اکثر وبیشتر کتابیں انہیں سے پڑھی ہیں، ان کی سادگی، نیک نفسی، خلوص وشفقت سے مجھے بہت فیض پہونچا ہے"۔
>
> (کاروانِ حیات ص ۲۸، ۲۹)

اس اقتباس سے قبل اور بعد قاضی صاحب نے مجموعی طور سے بھی اپنے اساتذہ کے فضائل ومحاسن اوران کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ ۱۳۵۴ھ کے سالانہ امتحان میں مقاماتِ حریری میں اول آئے تھے تو مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ نے ان کی اس کامیابی اور محنت پر خوش ہوکر ان کو ایک روپیہ انعام بھی دیا تھا، جس میں مزید چار آنے لگا کر انہوں نے "مقدمہ ابن خلدون" خرید کر منگائی، جس کی قیمت ایک روپیہ چار آنے تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب اساتذہ کی تنخواہیں بارہ روپے سے بیس روپے ہوا کرتی تھیں۔

کاروانِ حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک کے ص ۴۰ پر اس واقعہ کی صراحت موجود ہے، اور مئے طہور کے مرتب نے بھی ص ۳۳ پر اس کو نقل کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری متوفی ۲۲/محرم ۱۴۰۴ھ بڑے نیک نفس، صاحبِ زہد وورع، پابند شرع قسم کے بزرگ تھے، فقہ میں دور دور تک کوئی ان کا ثانی نہیں تھا، مولانا کی ذہن سازی میں دخیل تھے، ان کی عنایاتِ معلمانہ کا حال یہ تھا کہ ۱۳۵۴ھ کے امتحان میں مقاماتِ حریری میں اول آنے پر انھوں نے قاضی صاحب کو ایک روپیہ انعام بھی دیا تھا"۔ (مئے طہور ص ۳۳، قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک ص ۲۸)

قاضی اطہر صاحب نے تعلیمی زندگی سے فراغت کے بعد شوال ۱۳۵۹ھ سے محرم ۱۳۶۴ھ تک ساڑھے چار سال احیاء العلوم میں مدرسی کی، اس دوران بھی آپ کے تعلقات مفتی یٰسین صاحب سے بہت قریبی نوعیت کے رہے، اور سبق سے متعلق مشکل مقامات مفتی صاحب سے حل کرالیا کرتے تھے، چنانچہ کاروانِ حیات میں قاضی صاحب "زیرِ درس کتابیں" عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"بعض اوقات اثنائے درس میں کسی جگہ رک جاتا تو فوراً مولانا مفتی یٰسین صاحب کے پاس جاکر عبارت کا مطلب معلوم کرتا تھا، وہ کہتے تھے کہ درس سے پہلے آکر پوچھ لیا کرو، اس سے طلبہ پر برا اثر پڑے گا، میں عرض کرتا کہ میری طرح وہ بھی علمی معاملہ میں فراغت کے بعد اپنے اساتذہ سے استفادہ کرنے میں جھجھک نہیں محسوس کریں گے۔ میں نے یہ بات مفتی صاحب سے ہی سیکھی تھی، زمانہ طالب علمی میں وہ ہم لوگوں کو پڑھاتے وقت کہیں اٹک جاتے تو فوراً لغت وغیرہ اٹھا کر دیکھتے تھے اور ہم لوگوں سے بھی کہتے تھے کہ فلاں کتاب میں دیکھو کہ کیا لکھا ہے، جب ہمارے استاذ اثنائے درس ہمارے سامنے رک جاتے اور مشکل حل کرنے میں ہم سے بھی تعاون یا استفادہ کے خواہش مند تھے تو ہم اپنے شاگردوں کے سامنے ان کو سکھانے کے لیے ایسا کیوں نہ کریں"۔ (کاروانِ حیات ص ۶۲، ۶۳)

یہ واقعہ قاضی صاحب کے اپنے استاذ سے خاص تعلقات اور باہمی الفت ومحبت کے بارے میں واضح اشارہ کرتا ہے۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کی طرف سے قاضی اطہر صاحب کو خصوصی سند دی گئی، جس میں ان کی علمی لیاقت وغیرہ کی توثیق کی گئی، سند کی یہ تحریر حضرت اقدس مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ کے قلم سے مرقوم ہے اور مفتی صاحب کے دستخط کے ساتھ مولانا عبدالباری صاحب قاسمی ناظم مدرسہ اور مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوریؒ استاذ جامعہ کے تائیدی وتصدیقی دستخط موجود ہیں، یہ سند قاضی اطہر اکیڈمی (ٹیلی گرام پیج) سے منقول ہے، سند ملاحظہ ہو:

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولوی عبدالحفیظ صاحب اطہر ولد قاضی محمد حسن صاحب مبارک پوری نے مدرسہ احیاء العلوم میں کل کتابیں بجز دورۂ حدیث شریف کے پڑھیں، نہایت شوق ومحنت سے تعلیم حاصل کی، امتحاناتِ سالانہ وغیرہ میں بہت اچھی کامیابی حاصل کرتے رہے، اخیر میں دورۂ حدیث کے لیے مرادآباد جاکر مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد میں تکمیل کی، بعد فراغت مدرسہ احیاء العلوم میں ۱۳۵۹ھ میں مدرس ہوکر تعلیم دیتے رہے، تقریباً چار سال تک خدمتِ تدریس انجام دی، اس کے علاوہ زمانہ طالب علمی میں دو ایک کتاب پڑھاتے رہے، ماشاء اللہ استعداد اچھی ہے، ہونہار آدمی ہیں، علم ادب میں خاص دسترس ہے، عربی نظم ونثر پر غیر معمولی قدرت ہے، تاریخ سے خاص دل چسپی ہے، وہ اپنی لیاقتِ علمی سے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو احیاء العلوم کی جانب سے ایک سند دی جائے اور اس میں ظاہر کردیا جائے کہ جو خدماتِ علمیہ وغیرہ ان کے سپرد کی جائیں گی، وہ ان کو انجام دے کر ہمیشہ نیک نامی حاصل کرتے رہیں گے۔

احقر محمد یٰسین مدرس وناظمِ تعلیمات مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور

۷/ ذوقعدہ ۱۳۶۳ھ

(مہر مدرسہ)

عبدالباری قاسمی مہتمم مدرسہ احیاء العلوم
مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
۷/ ذوقعدہ ۱۳۶۳ھ

سطور بالاتحریر کی میں
تصدیق کرتا ہوں
محمد عمر غفرلہ مدرس مدرسہ احیاء العلوم

مکتبہ الفہیم مئو سے شائع شدہ تذکرۂ علماء مبارک پور کے دوسرے ایڈیشن کے آخر

میں ص ۳۶۱ پر "تاریخِ وفات" کے ذیل میں تحریر ہے کہ

"حضرت مولانا مورخ مبارک پوریؒ نے اپنی یادداشت میں علماء کی یہ تاریخ وفات، علماء کا تذکرہ لکھنے کی غرض سے درج کی تھی، مگر وہ ان علماء کے حالات قلم بند نہیں کر سکے"۔

اسی کے تحت چوتھے نمبر پر قاضی صاحب کے قلم سے مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کی تاریخِ وفات یوں لکھی ہوئی ہے: "وفات مولانا مفتی محمد یٰسین ۲۲ر محرم ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۳ء شنبہ، تدفین سمودھی قبرستان، مولانا شکراللہ صاحب کے پاس"۔ (تذکرۂ علماء مبارک پور)

استاذ محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمیؒ اپنی کتاب تذکرۂ علماء اعظم گڑھ" میں حضرت اقدس مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کے تذکرے کے آخر میں رقم طراز ہیں:

"عصرِ حاضر کے عظیم اسلامی مورخ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ، جو مفتی صاحب کے تلامذہ میں سے تھے، ان کے فضائل وکمالات کا جب تذکرہ کرتے تو پھر ایسا لگتا کہ یہ سلسلہ اب ختم نہیں ہوگا، ان کے طرزِ تدریس ان کی علمی بصیرت، مسائلِ فقہیہ پر ان کی وسعتِ نظر، ان کی امانت ودیانت، دینی معاملات میں غایت درجہ احتیاط، ان کی شرافتِ نفس، بایں ہمہ کمالات، دنیاوی امور میں ان کی یک گونہ سادہ لوحی، ہر ایک کو اس طرح مزہ لے لے کر بیان کرتے، گویا ان کا اصل موضوع "حیاتِ مفتی یٰسین" ہی ہے"۔

(تذکرۂ علماء اعظم گڑھ جدید ایڈیشن ص ۵۸۹)

مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ

معلومات از: مولانا محفوظ الرحمٰن کریمی قاسمی ابراہیم پوری زید مجدہٗ

راقم السطور نے ماموں جان مولانا محفوظ الرحمٰن کریمی صاحب سے مفتی یٰسین صاحب کے زیرِ ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا اور تذکرہ کی ترتیب اور مقالات وغیرہ کا ذکر کیا، انہوں نے کہ "ہاں یہ کام کرلو، ان کے حالات جو بکھرے ہیں، وہ جمع ہوجائیں گے" پھر آپ نے حضرت مفتی یٰسین صاحب کے تعلق سے درج ذیل باتیں بتائیں، جو راقم نے ذیل میں نقل کی ہیں۔

حبیب اعظمی

۲۸/دسمبر ۲۰۲۰ء سوموار

کثرتِ مطالعہ:

مفتی یٰسین صاحب کے کثرتِ مطالعہ اور کتب بینی کا یہ حال تھا کہ ان کو مسائل کا اور کتابوں کا استحضار رہا کرتا تھا، جب کوئی عالم ان سے کوئی علمی بات دریافت کرنے آتے تو کہتے کہ وہ دیکھو فلاں کتاب رکھی ہے، اسے اٹھالاؤ، کتاب آتی تو دونوں ہاتھ سے کھولتے اور وہی صفحہ کھلتا، جس میں وہ مسئلہ لکھا ہوتا تھا، یہ ان کے استحضار کی بات تھی، بہت کثرت سے مطالعہ کرتے تھے۔ (مولانا محفوظ الرحمٰن کریمی کی زبانی)

خواب میں زیارت کی برکت کا واقعہ:

مولانا عبدالکریم صاحب ابراہیم پوریؒ بھی مفتی یٰسین صاحب کے شاگرد تھے، جب مولانا عبدالکریم صاحب بنگال کے مدرسہ میں پڑھا رہے تھے تو ان کو درس کے لیے

شرح جامی ملی تھی، اس کے پڑھانے میں بہت دشواری پیش آرہی تھی، شرح جامی ویسے بھی مشکل کتاب مانی جاتی ہے، کئی مرتبہ مولانا عبدالکریم صاحب نے سوچا کہ اس کتاب کو کسی دوسرے استاذ کے یہاں کردیں، اسی دوران ایک رات خواب میں مفتی یٰسین صاحب کی زیارت ہوئی، مفتی یٰسین صاحب نے خواب میں کہا کہ گھبراؤ مت، مطالعہ کرو، اور کتاب اچھی طرح دیکھو، اس کے بعد پڑھاؤ۔

چناں چہ مولانا عبدالکریم صاحب کی آنکھ کھلی اور کتاب کا پھر سے مطالعہ کیا، اس کے بعد پوری بحث سمجھ میں آگئی اور پھر کبھی شرح جامی پڑھانے میں دشواری نہیں ہوئی، بنگال کے طلبہ کہا کرتے تھے کہ مولانا عبدالکریم صاحب کو تو شرح جامی زبانی یاد ہے۔

(روایت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کریمی)

(مولانا عبدالکریم صاحبؒ کے حالات کے لیے مرتب کی کتاب "تذکرۂ مولانا عبدالکریم اعظمیؒ" ملاحظہ ہو۔)

بڑے ماموں مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نے اسی طرح کا ایک اور واقعہ مثال میں ذکر کیا کہ مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی جب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب کے استاذ ہوکر گئے، تو ان کو دیوان متنبی پڑھانے کو ملی، دو تین دن تک ان کو پڑھانے میں دشواری ہوئی، ایک مرتبہ سوئے تو خواب میں اپنے استاذ کو دیکھا، انھوں نے کہا کہ گھبراؤ مت، مطالعہ کرو اور پڑھاؤ، اس کے بعد پڑھانا شروع کیا اور کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

دریں اثناء اسی قسم کا ایک اہم واقعہ راقم السطور حبیب اعظمی کو "دوماہی ندائے فضلاء مبارک پور (رجب، شعبان ۱۴۰۷ھ مطابق مارچ، اپریل ۱۹۸۷ء) میں مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کے مضمون: "حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ" میں بھی

دیکھنے کوملا۔

مولانا محمد عثمان معروفی صاحب، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے ”آغازِ تدریس“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”جب آپ چندہ کرکے دیوبند واپس ہوئے تو شیخ الہندؒ نے مدرسہ فتح پوری دہلی میں مدرس دوم بنا کر بھیج دیا، آپ سے پہلے اس جگہ مشہور معقولی عالم مولانا عبدالعزیز صاحب ولایتی تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی تھے، اس لیے علامہ کو ہچکچاہٹ تھی، مگر شیخ الہند نے فرمایا کہ تم خود نہیں جارہے ہو، میں بھیج رہا ہوں، یہ ۱۳۲۸ھ کی بات ہے، جب کہ فتح پوری میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدرالمدرسین اور مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ مدرس سوم تھے، علامہ کو ہدایہ اخیرین، میر زاہد، ملا جلال اور دیوان حماسہ دی گئیں، تین کتابوں کا مطالعہ نصف گھنٹے میں کرلیا، مگر دیوانِ حماسہ کے تین شعر دو گھنٹے میں حل ہوئے، جب کہ وہاں اکیس اشعار پڑھانے کا معمول تھا، اس پریشانی میں نیند آگئی، خواب میں دیکھا کہ شیخ الہند آکر جھنجھوڑ رہے ہیں کہ اٹھ کر کتاب دیکھو، نیند کھلنے پر اب کتاب دیکھی تو آدھ گھنٹہ میں باقی اشعار حل ہوگئے“۔ (ندائے فضلاء ج ا شمارہ ۴ ص ۵۹و۶۰)

بڑے ماموں مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نے راقم السطور حبیب اعظمی کو بھی اپنا اسی قسم کا ایک واقعہ سنایا، انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ احیاء العلوم میں مولانا محمد مسلم صاحبؒ سے شرح جامی پڑھتے تھے اور بھیرہ کے مولوی شمس الحق اور میرے درمیان پڑھنے میں مقابلہ رہتا تھا، ایک دن مولانا مسلم صاحب نے کہا کہ تم دونوں کل مطالعہ کرکے آؤ اور سبق پڑھاؤ،

میں سنوں گا، چناں چہ مولوی شمس الحق نے اگلے دن شرح جامی پڑھائی، اس کے بعد اگلے دن میرا نمبر تھا، مجھے سبق بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یا اللہ! کیسے سبق پڑھاؤں گا، یہی سوچتے سوچتے سو گیا، تو خواب میں مولانا محمد مسلم صاحب کی ہی زیارت ہوئی، انھوں نے کہا کہ عبارت پر غور کرو، ہر ہر جملہ دیکھو، کسی نہ کسی سوال کا جواب ہے، چناں چہ آنکھ کھلی تو عبارت کو غور کر کے دیکھا اور ہر جملہ حل ہو گیا۔

دوسرے دن درس گاہ میں شرح جامی کا درس دیا، مولانا محمد مسلم صاحب بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میرے پڑھائے شاگرد کامیاب ہیں۔

مولانا رحمت اللہ صاحب اعظمی:

راقم السطور کے والدِ گرامی مولانا رحمت اللہ صاحب چوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ہی دستِ مبارک پر اسلام قبول کیے تھے اور مفتی صاحب کی خدمت کیا کرتے تھے، ماموں نے بتایا کہ مفتی یٰسین صاحب اُن کے ولی تھے اور بہت مانتے تھے، بڑے نیک سیدھے سادھے تھے، پوچھتے تھے کہ رحمت اللہ! آج موسم کیسا ہے؟ مولوی رحمت اللہ کہتے کہ حضرت! بڑی گرمی ہے، مفتی صاحب کہتے کہ بستر باہر لگا دو، اسی طرح معمول تھا، ایک مرتبہ بارش ہوئی، مفتی صاحب نے حسبِ معمول پوچھا کہ رحمت اللہ! آج موسم کیسا ہے؟ مولوی رحمت اللہ نے از راہ مزاح کہا کہ حضرت! بہت گرمی ہے، طالب علمی کے زمانہ میں بعض دفعہ اس طرح ہوتا ہے، حضرت نے کہا کہ بستر باہر لگا دو۔

یہ کہہ کر ماموں مولانا محفوظ الرحمٰن کریمی صاحب بہت ہنسے اور بولنے کے دوران بھی مستقل ہنستے رہے، کہہ رہے تھے کہ میں جب بھی اس کو سوچتا ہوں تو بہت ہنسی آتی ہے،

آپ نے کہا کہ مفتی صاحب بہت سیدھے اور نیک آدمی تھے۔

بڑے ماموں مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کریمی نے بتایا کہ:

میں نے مفتی صاحب سے مشکوٰۃ شریف پڑھی، شروع کتاب کے خطبہ میں والصلوۃ والسلام الأتمان آیا، مفتی صاحب نے طلبہ سے پوچھا کہ الأتمانِ کو کیا پڑھیں گے؟ ہوتے ہوتے میرا نمبر بھی آیا، تو میں نے بتایا کہ یہ تثنیہ ہے، اس سے پہلے والصلوٰۃ والسلام آیا ہے، الأتمانِ تثنیہ ہے، اس لیے نون پر کسرہ ہوگا۔

مولوی رحمت اللہ کو بہت مانتے تھے، میں نے ان سے مشکوٰۃ اور بیضاوی پڑھی، سراجی بھی ان سے پڑھی ہے، مولوی رحمت اللہ نے بھی ان سے یہ کتابیں پڑھیں، ہم دونوں ساتھی تھے۔

وقت کی قدر:

انہوں نے لکھ کر اپنے کمرے میں ٹانگ رکھا تھا:

دیر تک تشریف تو رکھیے، مگر ایسا نہ ہو
آپ کا ہو وقت ضائع اور میرا حرج ہو

کسی سے زیادہ گفتگو نہیں کرتے تھے، ان کا مطالعہ اتنا گہرا تھا اور اتنا مضبوط تھا کہ اگر کوئی بات پوچھی جاتی تو کتاب منگاتے اور کہتے کہ وہ کتاب لاؤ، اور کتاب اس طرح کھولتے کہ وہی بات نکلتی، کہتے کہ اس کو پڑھو، بڑے محنتی تھے۔

(مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کریمی کی زبانی)

مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کے خادمِ خاص شاگردِ رشید مولانا رحمت اللہ صاحب اعظمیؒ

(مفتی صاحب سے مولانا رحمت اللہ صاحب اعظمیؒ کے تعلقات کی چند جھلکیاں)

از: مرتب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ابتداء سے لے کر فراغت تک جن اساتذۂ کرام و بزرگانِ دین سے تعلیم حاصل کی، ان سبھی کے دل سے قدرداں اور احسان مند رہے، اکثر و بیشتر ہمارے سامنے اپنے حصولِ تعلیم اور اپنے موقر اساتذۂ کرام کا ذکرِ خیر فرماتے، آپ اپنے اسلاف و اکابر کے بھی حد درجہ عقیدت مند اور ان سے قلبی لگاؤ رکھنے والے تھے، آپ کی زاہدانہ و مومنانہ صفات اور عظمت و بزرگی، ان اکابر کی عقیدت ومحبت، ان کے ادب واحترام اور ان کی اطاعت وخدمت کا ہی ثمرہ ہے۔

حضرت والا کے دل میں اکابر دیوبند اور مشائخ و بزرگانِ دین کا جو مقام و مرتبہ اور عظمت ومحبت تھی، اس کا معمولی اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اکثر اپنے اساتذہ واکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرطِ محبت سے آبدیدہ ہوجاتے، یہ آپ کے رقیق القلب اور پاک نفس ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم ہستی، مولانا رحمت اللہ صاحب کے لیے ان کے والدین سے بھی بڑھ کر تھی، آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ

کے ہی دستِ مبارک پر کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا تھا، جس کا تفصیلی تذکرہ راقم کی کتاب "مولانا رحمت اللہ اعظمی۔حیات وخدمات" میں بھی موجود ہے، اور قبولِ اسلام کے بعد ابتداء سے عالمیت تک آپ حضرت مفتی صاحبؒ کی سرپرستی میں ہی مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں رہ کر علم حاصل کرتے رہے، حضرت مفتی صاحب آپ کو اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے، اور آپ کے ہر آرام وراحت کا خیال کرتے تھے، آپ بھی ان کا ایک شفیق وہمدرد باپ اور مخلص وخیرخواہ استاذ کی طرح ادب واحترام کرتے تھے اور آپ کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

جب آپ دیوبند تعلیم کے لیے گئے تو حضرت مفتی صاحب نے آپ کے نام پچاس روپئے بذریعہ ڈاک روانہ کیے، یہ اس وقت کے اعتبار سے بڑی رقم تھی، ساتھیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اصرار کیا کہ مٹھائی کھلاؤ، چناں چہ آپ نے کچھ روپیوں سے ان کی خواہش کی تکمیل کی اور "اِمرتی" کھلائی۔

آپ کو بھی حضرت مفتی صاحبؒ سے بڑی محبت تھی، احیاء العلوم کی طالب علمی کے زمانے میں ان کی خدمت آپ کا معمول تھا، ہر کام ان کے مشورے سے کیا کرتے تھے، وہ بھی آپ کو بہت مانتے تھے۔

آخر عمر میں جب حضرت مفتی صاحب بیمار تھے، آپ ان کی عیادت کو گئے تو مصافحہ کے بعد انھوں نے آپ سے دعاء کے لیے کہا، یہ سن کر آپ زاروقطار رونے لگے، اور اپنے استاذ کی بیماری سے بے چین ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب کی وفات سے آپ اپنے ایک شفیق مربی اور سرپرست سے محروم ہو گئے، ان کی وفات کا آپ کو بہت زیادہ صدمہ پہونچا۔

وفات کے بعد آپ نے اپنے اس عظیم محسن ومربی کی قبر پر ہر جمعہ حاضری اور فاتحہ خوانی وایصالِ ثواب کو اپنا معمول بنالیا، جو الحمدللہ آخر عمر تک برقرار رہا، یہ آپ کے تعلقِ خاطر اور محبتِ قلبی کی بیّن دلیل ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا رحمت اللہ صاحب کے والد بزرگوار شیخ عبداللہ صاحب نے آپ کی کوششوں سے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں آپ کے زمانۂ طالب علمی میں ہی حضرت اقدس مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرلیا تھا، اور اسلام کے ارکان اور عقائد وجزئیات اور مسائل سے بھی واقف ہو گئے تھے، نماز روزہ کی پابندی کیا کرتے تھے، حلال وحرام کی تمیز کیا کرتے تھے، باجماعت نماز پڑھتے اور تہجد بلاناغہ پڑھتے، رمضان کے بعد شش عیدی روزے بھی رکھتے تھے، اَورَاد وَوَظائف کا بھی اہتمام رہتا تھا، ولید پور کے مدرسہ نور الاسلام میں باغ بانی اور وہیں کی مسجد فاروق میں اذان دینے کی خدمت بھی انجام دی، بالآخر پانچ سال تک مومنانہ زندگی بسر کرنے کے بعد جوارِ رحمت میں داخل ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ (تذکرۂ مولانا رحمت اللہ اعظمیؒ)

حیاتِ مفتی یٰسینؒ کی چند جھلکیاں

ازقلم: حبیب الرحمٰن الاعظمی ابراہیم پوری فاضل دارالعلوم دیوبند

نام ونسب:

مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب بن عبدالسبحان صاحب بن عبداللہ بن قیام الدین بن لال محمد۔

جناب عبداللہ اوران سے اوپر کے لوگوں کے احوال معلوم نہ ہوسکے، عبداللہ صاحب کے پانچ لڑکے تھے، جن میں عبدالسبحان ہیں، پھر عبدالسبحان کی کل سات اولادہوئی، جن میں ۵ لڑکے اور ۲ لڑکیاں تھیں، لڑکوں کے نام بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) حاجی عبدالرحیم صاحب

(۲) حاجی عبدالحمید صاحب

(۳) مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب

(۴) محمد بشیر صاحب

(۵) مولانا محمد منیر صاحب (معلومات از حاجی عبدالاعلیٰ صاحب)

ولادت:

مفتی محمد یٰسین صاحب کی ولادت یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۴ رفروری ۱۹۰۷ء بروز پنج شنبہ بمقام محلہ پرانی بستی مبارک پور ہوئی۔ (فتاویٰ احیاء العلوم)

تعلیم:

ابتدائی حروف شناسی اور قرآن کریم ناظرہ تعلیم اپنے محلہ میں حاصل کرنے کے بعد احیاء العلوم میں داخل ہوئے، اور یہاں اردو فارسی کے بعد عربی کی تعلیم حاصل کی۔

احیاء العلوم کے اساتذہ:

☆ مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفیؒ
☆ مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ
☆ مولانا علی احمد صاحب کوئر یا پاریؒ
☆ مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوریؒ
☆ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ

مولانا علی احمد صاحب کوئر یا پاریؒ جب احیاء العلوم سے علیٰحدہ ہوکر مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں مدرس ہو گئے تو مفتی یٰسین صاحبؒ بھی وہیں چلے گئے تھے، ناصر العلوم گھوسی کے دیگر اساتذہ کا علم نہ ہو سکا۔

دار العلوم دیو بند کا سفر:

شوال ۱۳۴۲ھ میں دار العلوم دیو بند کا سفر کیا اور وہاں تین سال تک تحصیلِ علم کے بعد ۱۹۲۷ء/ ۱۳۴۵ھ میں سندِ فراغت سے سرفراز ہوئے، اور دار العلوم کی طرف سے آپ کو ایک خصوصی سندِ توصیفی بھی عطا کی گئی۔

دار العلوم میں آپ کے رفقائے درس میں مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ مدیر "الفرقان" لکھنؤ و مولانا اسلام الحق صاحب کوپا گنجیؒ سابق استاذ حدیث دار العلوم دیو بند بھی تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے کبار اساتذہ:

☆ علامہ انور شاہ کشمیریؒ

☆ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

☆ مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ

☆ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

طویل تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے تعلیمی فراغت کے بعد اپنے اسلاف واکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تدریسی میدان میں قدم رکھا، اور سب سے پہلے پنجاب کے کسی مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھایا، لیکن وطن سے دوری اور سفر کی مشقتوں کی وجہ سے ابراہیم پور کے مدرسہ عربیہ فیض العلوم میں فارسی، عربی کے مدرس ہوگئے، اس وقت یہاں ابتدائی عربی کی تعلیم تھی، اور عربی وفارسی کے کچھ طلبہ یہاں زیرِ تعلیم تھے، چند ماہ یہاں تدریسی خدمات کے بعد مولانا شکراللہ صاحب مبارک پوریؒ کے حکم وایماء پر اپنے مادرِ علمی جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور تشریف لائے اور پھر پوری زندگی یہیں درس وتدریس، فقہ وفتاویٰ اور تعلیم وتربیت کے ساتھ اصلاحِ امت میں مشغول رہے، یہاں تک کہ ۲۲؍محرم ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹؍اکتوبر ۱۹۸۳ء کوسفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے۔

اولاد واخلاف:

(۱) حاجی عبدالاول صاحب مرحوم۔ نیک بااخلاق اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے، ۱۹۷۴ء میں اپنی والدہ کے ساتھ حج کیا، مئی ۲۰۰۲ء میں وفات ہوئی، ان کے لڑکے

مولوی عبدالباری صاحب اور ۲ لڑکیاں ہیں۔

(۲) عالیہ خاتون۔۶ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔

(۳) آسیہ خاتون۔حیات ہیں (زوجہ محمد عمر صاحب مرحوم حیدرآباد، مبارک پور)

(۴) عارفہ خاتون مرحومہ (زوجہ حاجی محمد عمر صاحب مرحوم پورہ خواجہ، مبارک پور)

(۵) آمنہ خاتون مرحومہ (زوجہ محمد سکندر صاحب مرحوم نوادہ، مبارک پور، مولانا محمد احمد سکندر صاحب قاسمی ان ہی محمد سکندر صاحب کے پوتے ہیں)

(۶) فاطمہ خاتون مرحومہ (زوجہ مسعود احمد صاحب مرحوم پورہ معروف، مئو)

(۷) ناظمہ خاتون مرحومہ (زوجہ مسعود احمد صاحب سمودی، مبارک پور)

(۸) حاجی عبدالاعلیٰ صاحب۔ نیک صالح اور صوم وصلاۃ کے پابند ہیں، ۲۰۱۴ھ میں حج بیت اللہ وزیارت حرمین کی سعادت حاصل کی، تذکرۂ مولانا مفتی محمد یٰسین کی ترتیب کے وقت کئی مرتبہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور (قدیم جامعہ) تشریف لاکر احقر کو اپنی دیدوزیارت کا شرف بخشا اور مفتی صاحبؒ کی باتیں بیان کرتے رہے، مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کی اشاعت کے لیے بھی فکر مند ہیں، ان کے لڑکے مولانا عبدالباسط صاحب مبارک پوری ہیں، جو ایک مخلص اور سنجیدہ مزاج شخص ہیں، تذکرہ فقیہ العصر مولانا مفتی محمد یٰسین صاحبؒ کی اشاعت ان ہی کی مرہونِ منت ہے۔ (اولاد کے اسماء حاجی عبدالاعلیٰ صاحب کے بیان کردہ ہیں)

مفتی صاحب کے تلامذہ:

احیاء العلوم مبارک پور میں طویل تدریسی خدمات کے نتیجے میں آپ سے پڑھنے والے اور فیض حاصل کرنے والے تلامذہ وشاگرد تو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اور ملک وبیرونِ ملک ان کے تلامذہ پھیلے ہوئے دینی وعلمی اور قومی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں،

جن میں سے بیش تر اپنی حیاتِ مستعار مکمل کر کے سفرِ آخرت پر بھی روانہ ہو چکے ہیں، اور ان کی خدمات سے امت نے فیض حاصل کیا اور کر رہی ہے، اور جو باقی ماندہ حضرات ہیں، ان کی عمریں بھی طویل ہو چکی ہیں اور وہ بھی اب زندگی کے آخری مراحل سے گزر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین حضرات کی مغفرت فرمائے اور باحیات لوگوں کی عمریں طویل فرما کر ان کی خدمات سے امت کو مزید فیض پہونچائے۔

ابراہیم پور سے تعلقات:

مفتی یٰسین صاحبؒ کے ہمارے قریہ "ابراہیم پور" سے بہت خاص تعلقات تھے اور آپ اکثر وبیش تر دینی جلسوں میں وعظ کہنے، کسی اہلِ تعلق کی نمازِ جنازہ پڑھانے یا اپنے کسی شاگرد کی دعوت پر ابراہیم پور تشریف لاتے اور اپنی تشریف آوری سے باشندگانِ ابراہیم پور کو مسرور ومسعود فرماتے، راقم السطور کے والدِ گرامی مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی مظاہری چوں کہ حضرت مفتی صاحب کے انتہائی اہم شاگرد رشید اور حضرت کے خصوصی فیض یافتہ اور خادمِ خاص تھے، حضرت والدِ گرامی بھی آپ سے بڑی محبت وعقیدت رکھتے تھے اور حضرت مفتی صاحب بھی اپنے اس عزیز ترین شاگرد کو بہت محبوب رکھتے تھے، اسی طرح احقر کے نانا جان محسنِ ملت حضرت اقدس مولانا عبدالکریم صاحبؒ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگرد خاص اور عقیدت مند تھے، حضرت مفتی صاحب آپ کے گھر بھی جایا کرتے تھے، جس کا ذکر راقم نے "تذکرۂ مولانا عبدالکریم اعظمیؒ" میں بھی کیا ہے، احقر کے بڑے ماموں مفکر ملت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کریمی قاسمی بھی ان کے شاگرد ہیں، اور بھی بہت سارے اہلِ علم حضرات ابراہیم پور میں حضرت مفتی یٰسین صاحب کے شاگرد ہیں، مفتی صاحب ابراہیم پور میں جب آتے تو اپنے ان عزیز شاگردوں اور تعلق داروں کے یہاں بھی جایا کرتے تھے اور لوگ آپ کی آمد وزیارت سے دل شاد ہو جایا کرتے تھے۔

منظوم تاثرات

قطعۂ تاریخ

(ولادت و وفات)

از حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی
سَابق استاذ جَامِعَہ عَرَبِیَّہ اِحیَاءُ العُلوم مبارکپور

جَاں افزا لوحِ تواریخ
۱۴۰۴ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الۡمُبۡدِي الۡمَتِيۡنِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
۱۴۰۴ھ

نَحۡمَدُ الۡحَقَّ الۡعَظِيۡمَ وَنُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ الۡكَرِيۡمِ ط
۱۹۸۳ء

مَوۡتُ الۡعَالِمِ الۡمَامُوۡن مَوۡتُ الۡعَالَم
۱۴۰۴ھ

اِنَّ اللّٰهَ النَّافِعَ يَرۡفَعُ الۡعِلۡمَ بِرَفۡعِ الۡعُلَمَاءِ
۱۴۰۴ھ

محیطِ علم مولانا محمد یٰسین صاحب مفتی جامعہ احیاء العلوم
۱۴۰۴ھ

ظلِ یزداں مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب
۱۹۸۳ء

اہلِ دل مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری
۱۴۰۴ھ

مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری رحمہ الرؤف الماجد
۱۴۰۴ھ

زیں جہانِ آب وگل خوش طالب علیین رفت
۱۹۸۳ء

رَحِمَهُ الْخَالِقُ الْمَجِيْدُ الْكَرِيْمُ
۱۴۰۴ھ

نَوَّرَ مَرْقَدَهُ النُّوْرُ الْغَنِيُّ
۱۹۸۳ء

بَرَّدَ مَضْجَعَهُ الْقُدُّوْسُ الْمَاجِدُ
۱۴۰۴ھ

(فتاویٰ احیاء العلوم)

قِطعَہ بَاتوارِیخ

۱۴۰۴ھ

دین کے تھے مفتیِ یٰسین اک ماہِ مبیں
گنج اسرار وحکم، علم ومعارف کے امیں

شیخِ وقت، استاذِ علماء، مفتیِ دینِ متیں
صدرِ احیاء العلوم ومرجعِ علمائے دیں

موتِ عالِم موت عالَم کا ہوا ہم کو یقیں
اب نظر آتا نہیں کوئی تِرا مسند نشیں

ناز کرتا تھا مبارک پور تیری ذات پر
تیری رحلت سے ہوا ہر شخص آزردہ حزیں

یاس وحسرت سے تجھے سب دیکھتے ہی رہ گئے
چھوڑ کر تو اس جہاں کو جا بسا خلدِ بریں

تھی تری فتویٰ نویسی ملک میں ضرب المثل
تو سلف کا ایک تھا زندہ نمونہ بالیقیں

کون سلجھائے گا اب فتوے کی الجھی گتھیاں
جامعہ کی گریہ زاری تو نے کیا دیکھی نہیں

حل ہوا کرتے تھے تیرے پاس مشکل مسئلے
گفتگو تیری تھی علماء کو شراب الصالحیں

ہے ولادت "جوہرِ ذاتی" "فروغِ حسن" موت
سالِ رحلت لکھ دے دانش مند عثمانِ حزیں

۱۳۲۵ھ ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۳ء

قلم حزیں محمد عثمان معروفی
۱۴۰۴ھ

(فتاویٰ احیاء العلوم)

خراجِ عقیدت

از: مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارک پوری

پیکر مہر و وفا دین و دیانت کا نشاں
صاف دل پاک نفس خندہ جبیں شیریں بیاں
سادگی ناز کرے جس پہ وہ سادہ فطرت
خاکساری کا نمونہ تھا رخِ جلوہ فشاں
وقت گفتار، دل آویز مناسب جملے
شُستہ وصاف پُرازعلم ویقیں طرزِ بیاں
حلم کی جان، تواضع کی مثالی صورت
پاک بازی عمل وقول کے دامن سے عیاں
آنکھ میں سرمہ حیا کا تھا لگا رہتا سدا
ہونٹ پہ زمزمہ ذکرِ خدا وندِ جہاں
جسم پہ چست ہمہ وقت لباسِ تقویٰ
آنکھ نیچی دم رفتار کمر مثلِ کماں
پاؤں سے پائے نہ چیونٹی بھی اذیت کوئی
اتنے محتاط طریقے سے وہ ہوتے تھے رواں
ٹھیس پہونچے کسی انسان کو ناممکن ہے
چھونہیں سکتا تھا پلکوں کو فواحش کا دھواں
انگلیاں عادی قلم کی تھیں کتابت کے لیے
سامنے آنکھ کے رہتی تھی کتابوں کی دکاں
رات دن کھوج حوالوں کی برائے فتویٰ
قلزمِ علم میں جب دیکھئے ہیں غوطہ زناں

منفرد علم میں اور فتویٰ نویسی میں امام
درس وتدریس میں مشہور تھے یکتائے زماں
سیدھا اور سادہ طریقہ تھا پڑھانے کے لیے
ان کو آتا ہی نہ تھا طرزِ چنیں اور چناں
بیٹھ جاتی تھیں مگر گوشئہ دل میں باتیں
دور ہوجاتا تھا دو لفظ میں سب وہم وگماں
دوش پہ اپنے اٹھائے رکھا ہمت دیکھو
بیش وکم اسّی برس علم کا یہ بارِ گراں
شامِ شنبہ غم وآلام مسلسل لائی
صبح کو صورتِ اندوہ ہوئی سب پہ عیاں
یعنی مفتیٔ زمانہ وہ محمد یٰسین
جادہ پیما ہوئے ساحرؔ سوئے فردوس جناں
اٹھ گیا ساقیٔ دلدار دکاں بند ہوئی
تشنہ لب پیاس بجھانے کے لیے جائیں کہاں
اشک آلود نگاہیں ہوئیں مہ پاروں کی
خطۂ ارض کے لوگوں کی زباں پر ہے فغاں
دیکھئے جس کو ہے تصویر الم سرتاپا
پنجۂ موت سے مجبور ہے ہر خرد وکلاں
موت عالم کی ہوا کرتی ہے موتِ عالَم
وقف غم، غرقِ الم ہوگیا آفاق جہاں
ساحرؔ خستہ جگر کی ہے دعا یہ دل سے
دامنِ عفو میں دے ان کو جگہ ربِّ جہاں
(حامئ دین مبین)

مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ

از: مولانا عبدالرؤف منصفؔ مبارک پوری

مفتیٔ یاسین صاحب اک چراغِ دین تھے	مسندِ افتاء پہ عمدہ صاحبِ تمکین تھے
ہاتھ میں ان کے قلم تھا نیزۂ خارا شگاف	وہ مصافِ زندگی میں لائقِ تحسین تھے

جیسا ان کا علم تھا ویسا ہی ان کا کام تھا
ارغوانی مے سے، ان کا ارغوانی جام تھا

ان کا ذوقِ عالمانہ پیروِ اسلاف تھا	ذہن ان کا اپنی تحقیق ونظر میں صاف تھا
ان کے فیضِ علم سے ہم کس قدر تھے فیضیاب	ان کا قلبِ پاک وروشن چشمۂ الطاف تھا

ان کے لطفِ خاص سے ہم تھے مسلسل بہرہ ور
وہ عنایات وکرم کی ہم پہ رکھتے تھے نظر

ان کے ذہن نکتہ رس کا تھا کتابوں پر عبور	پھر بھی ان کی ذات تک پہنچا نہ تھا علمی غرور
ان کی چشمِ مدعا جو محوِ صفحاتِ کتب	نکتۂ باریک تر بھی ڈھونڈ لیتی تھی ضرور

ہاتھ میں ان کے قلم گویا کہ گوہر بار تھا
مجمعِ صدہا کتب ان کا رفیقِ کار تھا

ان کے اچھے دوستوں میں تھا کتابوں کا شمار	دینیات وعلمِ دیں تک ان کا تھا محدود کار
ان کا محبوبِ نظر تھا جلوۂ حسنِ کتب	اُن کے آگے دائیں بائیں تھی کتابوں کی قطار

وہ کتابیں دیکھنے پڑھنے سے گھبراتے نہ تھے
اور کتابوں سے الگ رہ کر سکوں پاتے نہ تھے

ہو نشیبِ خاکِ تیرہ یا فرازِ کوہسار	ہر جگہ ہوتی تھی یکساں ان کے بادل کی پھوار
ان کے بائیں ہاتھ کا گویا کہ کوئی کھیل تھا	آہوانِ غابۂ فقہ ومعارف کا شکار

اپنے فن کے دائرے میں ان کو حاصل تھا کمال
ان کے عزمِ آہنیں سے مشکلیں تھیں پائمال

سب کی عزت کا انھیں ہر گاہ رہتا تھا خیال	پیر باتوقیر ہو یا نوجوان وخرد وسال
حسنِ اخلاق ومروت کی وہ اک تصویر تھے	نرمی وسادہ دلی میں تھے وہ خود اپنی مثال

زندگی ان کی سراسر لائقِ توقیر تھی
حرمتِ انسانیت کی اک کھلی تصویر تھی

ان کی شمعِ علم سے ماحول ہے دمکا ہوا	جس طرح سے ریڈیم تنویر سے چمکا ہوا
ان کو اک نکہت فشاں گل سے نہ کیوں تشبیہ دوں	ان کی خوشبو سے ہمارا ذہن ہے مہکا ہوا

وہ چمن کے پھول تھے ہم تھے بجائے عندلیب
وہ تھے شمعِ انجمن اور ہم تھے پروانہ نصیب

شمع گو باقی نہیں لیکن اجالا ہے ابھی	اقتباسِ فیض نے اس کو سنبھالا ہے ابھی
ان کے حسنِ کار کا اک اک نشاں ہے تابناک	اپنی ہر محفل میں ان کا بول بالا ہے ابھی

ہیں یہ ان لوگوں میں جن کا نام مٹ سکتا نہیں
خود تو مٹ جاتے ہیں لیکن کام مٹ سکتا نہیں

ان کی خاموشی میں پنہاں زندگی کا شور تھا	ان کے افتائی تکلم میں نہایت زور تھا
وہ نحیف وزار شخصیت کے مالک تھے مگر	ان کی تحریروں سے باطل بور ہے اور بور تھا

سرنگوں تھی ان کے آگے بدعتوں کی تمکنت
اور خود بدعات ان کے روبرو تھی بے سکت

ان کی تحریریں مزین، ان کے جملے دل نشیں	ان کے فتوے پڑھ کے دیکھیں صاحبانِ علم دیں
ان کے فیضِ علم سے ہم ہیں ابھی تک مستفیض	ان کے پیمانے سے پُر ہوتے ہیں اب بھی ساتگیں

بے بدل وہ ساقئ اہلِ مبارک پور تھے
ان کے پیمانے سے ہم مسرور ہیں مسرور تھے

ان کی تحریر ونظر پروردۂ ایمان ہے	ان کے فتوؤں میں سلف کی احتیاطی شان ہے
دین ودنیا دونوں میں پیشِ نظر شرعِ مبیں	ان کی وضع وقطع بھی پابستۂ احسان ہے

ان کے فتوؤں کی زباں بھی کس قدر ہے دلستاں
منظرِ حسنِ ادب ہے، جملے جملے سے عیاں

ان کی ہر تدریس بس تفہیم تک محدود تھی	خارجی تفصیل اس میں سربسر نابود تھی
مختصر گوئی کا مقصد، دلنشیں تعلیم تھا	اس میں زائد کیف وکم کی جستجو بے سود تھی

سیدھا سادہ بےتکلف گرچہ تھا طرزِ کلام
صحتِ ہر لفظ ومعنیٰ کا مگر تھا اہتمام

ان کی ہستی گرچہ منصف آہ ہم سے اب مستور ہے	موت کے ہاتھوں سے ہر کوئی یہاں مجبور ہے
ماہ وانجم ہیں فلک پر وہ زمیں کے نجم تھے	ان کی تابانی سے جاری اب بھی فیضِ نور ہے

ان کی تابش ہیں فتاوے اور فیضانِ علوم
میرے اپنے استعارے میں یہ ہیں ماہ ونجوم

پیشم آمد نَوَّرَ النُّوْرُ الْغَنِيُّ مَرْقَدَهٗ	دروے چوں کردم نظر شمسی سنہ برآمدہ
سہل شد سالِ وفاتش از برائے یادِ ما	ہمچونانے کو بدست آریم ما از مائدہ

شکر رب العالمیں را خوش برآمد کامِ خویش
چوں فرد بردم بدریائے تفکر، دامِ خویش
(فتاویٰ احیاء العلوم)

مردِ پاک طینت

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب نور اللہ مرقدہ

صدر المدرسین جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور

از: مولانا محمود الحسن صاحب قاسمی (فاضل مدینہ یونیورسٹی)

زمیں سے تا فلک ہنگامۂ شورِ قیامت ہے	عظیم المرتبت انساں کی اس دنیا سے رحلت ہے
جگر شق ہے، نظر حیراں، پراگندہ طبیعت ہے	پریشاں ہے جسے دیکھو عجب جوشِ عقیدت ہے
بتایا زندگی بھر ہم کو سیدھی راہ پر چلنا	طریقِ کار جس کا مشعلِ راہِ ہدایت ہے
زباں پر حرفِ قال اللہ یا قال النبی ہوتا	یہ اس کے نیک ہونے کی نشانی ہے علامت ہے
گزرتے بارہا دیکھا گیا ہے رہ گزاروں سے	عیاں بشرے سے ہوتا تھا کہ مردِ پاک طینت ہے
ہوا کرتی ہے ظاہر آدمی کی شکل وصورت سے	رگ و پے میں اگر محلول انسانی شرافت ہے
سراپا درد تھے، اخلاق کا کامل نمونہ تھے	فرشتوں کے مشابہ زندگی بھر کی روایت ہے
ضروری ہے تتبع طالبانِ علم ودانش کو	کہ ایسوں ہی سے باقی دین ہے احیاءِ ملت ہے
نظر ہوتی تھی نیچی درمیانی چال ہوتی تھی	گماں ہوتا تھا یہ آئینۂ شانِ رسالت ہے
عطاء کردے الٰہی جانشینِ حضرتِ والا	مسائل سینکڑوں دریافت کرنے کی ضرورت ہے
قلم خود ہی شہادت پیش کرتا ہے سوالوں کو	کہاں تک شعبۂ افتاء میں حاصل افضلیت ہے
صفاتِ بیکراں تھیں مجتمع موصوف کے اندر	یہ کہنا حق بجانب تھا کہ شایانِ قیادت ہے

سبھی کو ایک دن جانا پڑے گا دارِ فانی سے	ہمیشہ کس کو اس دنیا میں رہنے کی اجازت ہے
قضاء وقدر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا	خوشی کو رنج میں تبدیل کردے کس کو طاقت ہے
خدایا حکم دے ابرِ کرم کو ٹوٹ کر برسے	ترے گنجینۂ رحمت میں لامحدود رحمت ہے
بھلا دینا نہیں کچھ شیوۂ اہلِ وفا ہرگز	دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے
دمِ آخر فرشتوں کی زباں پر آگیا ہوگا	یہ خاکی سر بسر نکہت نوازِ باغِ سنت ہے
جدائی سے جو حالِ دل ہے مشکل ہے بیاں کرنا	یہ کہہ دینا ہی کافی ہے جو حالت ہے سو حالت ہے

بالآخر صبر ہی کرنا ہے محمود الحسنؔ ہم کو

یہ مانا مفتیؒ مرحوم سے کافی محبت ہے

(ندائے فضلاء مبارک پور۔نومبر، دسمبر ۱۹۸۷ء مطابق ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ)

مآخذ ومراجع

۱	فتاویٰ احیاء العلوم	مرتب: مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری
۲	اکابر احیاء العلوم	مرتب: مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری
۳	مشاہیر احیاء العلوم	مرتب: مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری
۴	وفیات نمبر دار العلوم دیوبند	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ استاذ دار العلوم دیوبند
۵	تذکرۂ علماء اعظم گڑھ	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ استاذ دار العلوم دیوبند
۶	تذکرۂ علماء مبارک پور (جدید اضافہ وتحقیق شدہ)	مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ اضافہ: مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری
۷	آپ بیتی	مولانا زین العابدین صاحبؒ (درمجلہ سراج الاسلام خصوصی اشاعت)
۸	کھوئے ہوؤں کی جستجو	مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
۹	ذاتی ڈائری	مولانا محمد عمر سیفی اعظمی ابراہیم پوریؒ
۱۰	اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات	مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب اعظمی استاذ حدیث دار العلوم مئو
۱۱	تذکرۂ مولانا رحمت اللہ اعظمیؒ (غیر مطبوعہ)	حبیب الرحمٰن اعظمی ابراہیم پوری
۱۲	دوماہی ندائے فضلاء مبارکپور	